راست روی

بنیادی اصول اور عملی وسائل

فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ
وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا
إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ

پروفیسر ڈاکٹر احمد بن یوسف الدریویش

2
ا
11

شریعہ اکیڈمی
بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد

Marfat.com

Marfat.com

162 89
DATA ENTERED

راست روی

بنیادی اصول اور عملی وسائل

پروفیسر ڈاکٹر احمد بن یوسف الدریویش

شریعہ اکیڈمی
بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد

Marfat.com

احمد بن یوسف الدرویش
297.7
27 ا
112068

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب	راست روی: بنیادی اصول اور عملی وسائل
تالیف	ڈاکٹر احمد بن یوسف الدرویش
ترجمہ	ڈاکٹر احمد جان، ڈاکٹر عبدالحی ابڑو، ڈاکٹر حبیب الرحمن
نظر ثانی	ڈاکٹر محمد طاہر منصوری، ڈاکٹر مبشر حسین
	ڈاکٹر تاج الدین الازہری
پروف ریڈنگ	اشفاق احمد
کمپوزنگ	محمد آصف
صدر شعبہ تحقیق و مطبوعات	ڈاکٹر عبدالحی ابڑو
ناشر	شریعہ اکیڈمی
	بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد
مطبع	پر نٹیج، بلیو ایریا، اسلام آباد
سن اشاعت	جولائی ۲۰۱۳ء
تعداد	۱۰۰۰

Marfat.com

فہرست

پیش لفظ	۵
مقدمہ	۷
موضوع کی اہمیت	۱۱
دینی خرابی	۱۴
معاشرتی خرابی	۱۴
راست روی (استقامۃ) حقیقت پسندی یا مثالیت پسندی	۱۶
استقامت کا معنی و مفہوم	۱۹
لغوی معنی	۱۹
اصطلاحی معنی	۱۹
راست روی (استقامۃ) استقامت کی ضرورت و اہمیت	۲۱
قرآن سے دلائل	۲۱
احادیث سے دلائل	۲۳
راست روی کی بنیادیں	۲۵
الف۔ اصلاح	۲۵
ا۔ ظاہری اصلاح	۲۵
۲۔ باطنی اصلاح	۲۶
راست روی (استقامۃ) کا مرکز و محور	۲۶
قبولیتِ اعمال کی شرائط	۲۸

Marfat.com

دوسری شرط: رسول اللہ ﷺ کی اتباع	۲۹
ب۔ اہل سنت والجماعت کے طریقہ پر قائم رہنا	۳۰
ج۔ میانہ روی (الوسطیة)	۳۴
د۔ حسن خلق	۴۲
۱۔ تواضع اور انکساری	۴۴
۲۔ صداقت	۴۴
۳۔ حیا	۴۵
۴۔ نرم روی	۴۶
۵۔ رحمت ومہربانی	۴۷
۶۔ صبر	۴۹
۷۔ اہل علم اور نیک سیرت لوگوں کی توقیر	۵۱
۸۔ اچھی صفات سے آراستہ ہونا	۵۲
۹۔ لاحاصل چیزوں سے اجتناب کرنا	۵۳
۱۰۔ بدگمانی سے بچنا	۵۳
۱۱۔ حسد سے بچنا	۵۶
۱۲۔ زبان کی حفاظت	۵۹
۱۔ غیبت	۶۱
۲۔ چغل خوری	۶۳

PANJAB UNIVERSITY LIBRARY

Marfat.com

۳۔ فضول باتوں میں پڑنا ۶۴
۴۔ بے جا بحث و مباحثہ ۶۴
۵۔ گالم گلوچ، فحش گوئی اور کفر کی تہمت لگانا وغیرہ ۶۵
تکفیر کی دو وجوہات ۶۸
۶۔ مذاق اڑانا ۷۲
ھ۔ نیک صحبت ۷۳
راست روی (استقامة) کے حصول کے لیے مخصوص وسائل و اسباب ۷۷
۱۔ گھر ۷۷
۲۔ مدرسہ اور درس گاہ ۸۱
۳۔ علما و مبلغین ۸۶
۴۔ مسجد ۹۳
۵۔ معاشرہ ۹۷
۶۔ میڈیا ۱۰۴
۷۔ ذکر و دعا ۱۱۰
خاتمہ ۱۲۱

Marfat.com

Marfat.com

پیش لفظ

اعتدال و توازن امت مسلمہ کی وہ نمایاں خصوصیت ہے جس کی بدولت اللہ تعالیٰ نے اس امت کو اقوام عالم میں امتیازی مقام عطا کیا اور اسے "امت وسط" کے خطاب سے نوازا۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: ﴿وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ﴾ [البقرۃ ۲: ۱۴۳] (اور اس طرح ہم نے تمہیں امتِ معتدل بنایا ہے، تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو)۔ یعنی امت مسلمہ ایک ایسی اعلیٰ اور اشرف امت ہے جو عدل و انصاف اور توسط کی راہ پر قائم ہے۔ جس کا عقیدہ اور عمل راست روی اور اعتدال کی تفسیر ہے۔ یہی وہ جوہر فضیلت ہے جس کی بنیاد پر اسے دنیا کی رہنمائی کا عظیم فریضہ سونپا گیا۔ قرآن و سنت میں متعدد مقامات پر اس امت کو غلو، افراط و تفریط اور انتہا پسندی سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے امت کو اعتدال کی روش اپنانے کی تاکید فرمائی۔ بد قسمتی سے آج مسلمان معاشرے عدم برداشت، انتہاپسندی، عدم رواداری اور مسلکی تعصبات کا شکار ہیں۔ اس سے مسلمانوں کی ملی وحدت کو شدید نقصان پہنچ رہا ہے اور مسلمان حکومتوں کا امن و استحکام بھی متاثر ہو رہا ہے۔ نوجوان طبقہ بالخصوص انتہاپسندی کا شکار ہو کر راہِ راست سے ہٹ چکا ہے۔ فرقہ وارانہ فتووں کے علاوہ انتہاپسند گروہوں کی طرف سے مسلمان حکمرانوں پر کفر کے فتووں نے معاشرے کو مزید منقسم کر دیا ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر احمد بن یوسف الدریویش نے اپنی فاضلانہ تصنیف "راست روی: بنیادی اصول اور عملی وسائل" میں انتہاپسندی سے پیدا ہونے والے مسائل کا علمی انداز میں مطالعہ کیا ہے۔ فاضل مصنف کے خیال میں کچھ نادیدہ قوتیں اور سازشی عناصر سادہ لوح نوجوانوں کو اپنے مذموم مقاصد کے لیے استعمال کر رہے ہیں اور یہ نوجوان جہالت، قرآن و سنت سے لاعلمی، مصالح امت سے بے خبری اور دعوت کے طریق کار سے ناواقفیت کی وجہ سے بے راہ روی کا

Marfat.com

شکار ہو رہے ہیں۔ فاضل مؤلف نے بے راہ روی کے شکار نوجوانوں کے لیے قرآن و سنت کی روشنی میں راست روی کی ضرورت و اہمیت کو اجاگر کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ راست روی کی اساس میانہ روی، اعتدال، حسن اخلاق، نیک صحبت، اخلاص، اتباع رسول اور اہل سنت والجماعت کا اتباع ہے۔ ان کی نگاہ میں دور حاضر کا سب سے بڑا فتنہ تکفیر ہے، مسلمانوں کو ان کی غلطیوں اور گناہوں کی وجہ سے کافر کہنے سے اجتناب کیا جانا چاہیے۔ فاضل مصنف ہمیں بتاتے ہیں کہ اسلام میں سب سے پہلی بدعت کا آغاز اہل اسلام کو کافر قرار دینے سے ہوا اور اس بدعت کے مرتکب افراد نے مسلمانوں کے جان و مال کو حلال قرار دیا۔ آج یہی نظریات کسی نہ کسی شکل میں پھر سے سر اٹھا رہے ہیں۔ ان کا مقابلہ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ معاشرے میں صالح افراد اور ادارے اصلاح معاشرہ میں اپنا اپنا کردار ادا کریں۔ ان میں خاندان، سکول یا مدرسہ، علما، مسجد اور میڈیا بنیادی کردار ادا کر سکتے ہیں اور یہی راست روی کے حصول کے بنیادی ذرائع ہیں۔

راست روی کے موضوع پر یہ ایک وقیع اور قابل قدر کوشش ہے جو قاری کو یہ بتاتی ہے کہ راست روی کے اصول کیا ہیں؟ اور اس کی روش کو کس طرح اپنایا جا سکتا ہے۔ امید ہے کہ یہ کتاب بے راہ روی کا شکار نوجوان طبقے کی اصلاح کا ذریعہ ثابت ہو گی اور مسلم معاشروں میں استحکام اور وحدت پیدا کرنے میں ممد و معاون بنے گی۔

ڈاکٹر محمد طاہر منصوری

ڈائریکٹر جنرل شریعہ اکیڈمی

جولائی ۲۰۱۳ء

Marfat.com

مقدمہ

الحمد لله الذی هدانا لهذا الدين القويم وما كنا لنهتدي لولا أن هدانا الله، وأشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريک له، له الملک وله الحمد وهو على كل شيء قدير. وأشهد أن سيدنا ونبينا محمّداً عبد الله ورسوله وصفيّه وخليله بلّغ الرسالة وأدّى الأمانة ونصح الأمة وجاهد في الله حق جهاده حتى أتاه اليقين. صلى الله عليه وعلىٰ آله وأصحابه وأزواجه والتابعين ومن تبعهم بإحسان إلى يوم الدين. أما بعد!

میں تمہیں اور اپنے آپ کو وہ نصیحت کرتا ہوں جو اللہ تعالیٰ نے اگلے پچھلے لوگوں کو کی تھی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَإِيَّاكُمْ أَنِ اتَّقُوا اللهَ﴾ [النساء۴:۱۳۱] (اور جن لوگوں کو تم سے پہلے کتاب دی گئی تھی ان کو بھی اور (اے محمد ﷺ) آپ کو بھی ہم نے حکم تاکیدی کیا ہے کہ اللہ سے ڈرتے رہو)۔ نیز فرمایا: ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ﴾ [آل عمران۳: ۱۰۲] (اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور مرنا تو مسلمان ہی مرنا)۔

تقویٰ سب سے بہترین نصیحت ہے جو والد اپنے بیٹے کو، استاد اپنے شاگردوں کو اور ایک بھائی دوسرے بھائی کو کرے۔ ہر انسان ہر لمحہ اس نصیحت و خیر خواہی کا محتاج ہے۔ تقویٰ کے متعلق حضرت علیؓ کا فرمان ہے کہ تقویٰ بلند و بالا ذات سے ڈرنے، قرآن کریم پر عمل کرنے، کم پر قناعت کرنے اور سفر آخرت کی تیاری کا نام ہے۔ تقویٰ ایک جامع حکم ہے جس کا مطلب

Marfat.com

ہے کہ اللہ کی اطاعت کرنا اور نافرمانی سے بچنا، یاد رکھنا نہ کہ بھول جانا، شکر ادا کرنا اور ناشکری سے بچنا۔

آج معاشرے میں لوگوں کا عمومی چلن یہ نظر آتا ہے کہ وہ دینی و اخلاقی رفعت و بلندی کی بجائے پستی کی طرف گامزن ہیں۔ ان کے دلوں پر غفلت کا پردہ پڑ چکا ہے، سیدھے راستے سے ان کے قدم ہٹ گئے ہیں۔ دینی امور کے بارے میں لوگوں کے رویے میں سرد مہری آچکی ہے اور نصیحت و خیر خواہی کے جذبات ماند پڑ گئے ہیں۔ مسلمانوں کے باہمی اختلافات کو کتاب اللہ و سنت رسول کے ذریعے حل کرنے کا رجحان کم سے کم تر ہوتا جا رہا ہے۔ دین کا احترام اور علما اور حکمرانوں کی توقیر معاشرے میں معدوم ہو چکے ہیں۔

لوگوں کا اپنی خواہشات پر قابو نہیں رہا، ہر انسان اپنی خواہشات کا قیدی بن کر رہ گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِنَ اللهِ إِنَّ اللهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ﴾ [القصص۲۸: ۵۰] (اور اس سے زیادہ کون گمراہ ہوگا جو اللہ کی ہدایت کو چھوڑ کر اپنی خواہش کے پیچھے چلے۔ بیشک اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا)۔

چنانچہ ہم نے گفتگو کے لیے جس موضوع کا انتخاب کیا ہے وہ ہے راست روی یعنی استقامۃ، جو ہر فرد اور معاشرے کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں راست روی کو اپنانے اور اس پر ثابت قدم رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

راست روی (استقامۃ) ایک جامع اور بلیغ لفظ ہے جو نبی اکرم ﷺ کے جوامع الکلم میں شمار ہوتا ہے۔ یہ وہ شاہ کلید ہے جس سے معارف و احوالِ باطن کے بند دروازے کھلتے ہیں۔ یہ وہ منہج و اسلوب ہے جس سے نفس کا تزکیہ اور عقائد کی تطہیر ہوتی ہے، بلاشبہہ یہ وہ عمدہ صفت و

Marfat.com

خاصیت ہیں جو کامل ایمان اور اعلیٰ اخلاق کا مظہر ہے۔ اس کے ذریعے آدمی اچھے اوصاف سے متصف ہو سکتا ہے، بری عادات سے بچ سکتا ہے اور قابل قدر سیرت و کردار کا حامل بن سکتا ہے۔

دین پر استقامت دکھانے والے اہل ایمان کے لیے جو اکرام، اجر و ثواب اور عظیم بشارتیں ہیں، اس کا اندازہ قرآن مقدس کی اس آیت سے کیا جاسکتا ہے: ﴿إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ﴾ [حم سجدہ ۴۱: ۳۰] (جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر وہ (اس پر) قائم رہے ان پر فرشتے اُتریں گے (اور کہیں گے) کہ نہ خوف کرو اور نہ غم ناک ہو اور بہشت کی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا خوشی مناؤ)۔

راست روی (استقامة) بلند مقام ہے جس کا حصول اتنا آسان نہیں۔ اس مقام تک مخلص، نیک، پرہیز گار اور موحد بندے ہی رسائی پا سکتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو صرف اپنے رب کو پکارتے ہیں اور غیر اللہ کی غلامی کا طوق اپنی گردن سے اتار چکے ہیں، جو خواہشات نفس کی پیروی نہیں کرتے اور حرام کاموں سے بچتے ہیں۔ یہ وہ اہل ایمان ہیں جن کا ظاہر و باطن اور جسم و جان صحیح اسلامی اصولوں، دین اسلام کی ابدی اقدار، کتاب و سنت کی تعلیمات اور صحابہ و تابعین کی سیرت کی روشنی میں پروان چڑھا ہے۔

یہ قدریں ان کی تربیت میں رچ بس گئی ہیں۔ اس تربیت کی اساس لا إله إلا الله محمّد رسول الله ہے، اس کی حقیقت اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتی ہے: ﴿ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ﴾ [النحل ۱۶: ۱۲۵]

Marfat.com

(تم اپنے رب کے راستے کی طرف بلاؤ دانائی سے اور اچھی نصیحت سے اور ان سے ایسے بحث کرو جو سب سے بہتر ہو)۔

تربیت کے اغراض ومقاصد کی نشان دہی اس آیت میں کی گئی ہے: ﴿وَابْتَغِ فِيمَا آتَاكَ اللهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنسَ نَصِيبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَأَحْسِن كَمَا أَحْسَنَ اللهُ إِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِي الْأَرْضِ إِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ﴾ [القصص۲۸: ۷۷] (اور جو (مال) تم کو اللہ نے عطا فرمایا ہے اس سے آخرت کی بھلائی طلب کیجیے اور دنیا سے اپنا حصہ نہ بھلائیے اور جیسی اللہ نے تم سے بھلائی کی ہے (ویسی) تم بھی (لوگوں سے) بھلائی کرو۔ اور ملک میں طالب فساد نہ ہو۔ کیونکہ خدا فساد کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا)۔

اس تربیت کے زیرِ اثر پتھروں اور درختوں کو پوجنے والے ایک رب کی عبادت کرنے لگ گئے۔ یہی وہ تربیت تھی جس نے بکریوں کے چرواہوں کو دنیا کا امام اور قائد بنا دیا اور کفروشرک سے نکال کر ایمان اور توحید کا علمبردار بنا دیا۔ اے اللہ تو ہی ہمارا رب ہے ہم سب کو راست روی (استقامت) نصیب فرما! اللهم اجعل عملي كله صالحاً واجعله لوجهك خالصاً ولا تجعل لأحد فيه شيئاً[1] (اے اللہ میرے ہر عمل کو نیک وصالح بنا دے، اسے صرف اپنی رضاجوئی کا ذریعہ بنادے اور اس میں کسی قسم کا کھوٹ نہ ہو)۔

---

1 اس دعا کی نسبت امام ابن تیمیہؒ نے حضرت عمرؓ کی طرف کی ہے۔ مجموع الفتاویٰ ۲۸: ۱۳۵

Marfat.com

موضوع کی اہمیت

یہ بات بالعموم مشاہدے میں آ رہی ہے کہ اس وقت نوجوان طبقے میں دین سے بے زاری بڑھتی جا رہی ہے گو کہ یہ طبقہ علما اور دیگر ذمہ داران کی توجہ بھی کم ہی حاصل کر سکا ہے، مگر یہ بڑی تیزی سے بیرونی نظریات سے متاثر ہو کر گمراہ ہو رہا ہے اور راہِ راست سے بھٹکتا جا رہا ہے۔ اس صورت حال نے مجھے اس موضوع پر قلم اٹھانے پر مجبور کیا۔

راہ راست سے انحراف کا واضح نتیجہ یہ سامنے آیا ہے کہ نوجوان نسل کی سوچ، طرز عمل اور خیالات بدل رہے ہیں۔ بے راہ روی، تکبر و غرور، سچائی سے انحراف، دھوکہ دہی۔۔۔ جیسی مذموم صفات ان کے رویوں میں نظر آتی ہیں۔

یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ اس قسم کے نظریات و خیالات اور گمراہ کن نعروں کو اپنی افزائش کے لیے مناسب زمین میسر آ گئی ہے اور ان کے پھلنے پھولنے کے لیے مناسب فضا مل گئی ہے۔ یاد رہے کہ جسمانی کمزوری، فکری خلا، جہالت، کم فہمی، قرآن و سنت سے لاعلمی، قلت وسائل، مصالح امت سے بے خبری، دعوت کے طریق کار سے ناواقفیت، داعیانہ اوصاف کی کمی اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے ضروری اوصاف کا نہ ہونا؛ یہ مسلم معاشرے کے وہ کمزور پہلو ہیں جو ان گمراہ کن نظریات کو پروان چڑھانے میں مددگار ثابت ہو رہے ہیں۔ یہ نوجوان کچھ نادیدہ قوتوں کے ہاتھوں کھلونا بنے ہوئے ہیں۔ سازشوں کے ایسے مراکز ہیں جو فتنہ وفساد کا بیج بونے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے اور اس پُرامن ملک کا امن وامان غارت کرنا چاہتے ہیں اور اہل ایمان کی راہ کھوٹی کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ یہ سازشی عناصر ان نوجوانوں کی سادگی، کم علمی اور کمزور تربیت سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں۔

Marfat.com

یہ وہ نوجوان ہیں جو ایک طرف تو جہالت کا شکار ہیں اور غیر اسلامی افکار سے بہت جلد متاثر ہوتے ہیں خواہ وہ نظریات کسی بھی عنوان سے ہوں اور دوسری طرف وہ ایسے معاملات میں الجھ گئے ہیں جن کا انہیں سرے سے علم ہی نہیں، اس طرح وہ گمراہی کی دلدل میں پھنس گئے ہیں۔ امیدوں، جھوٹے وعدوں اور دغاباز شیطان نے اللہ کے بارے میں انہیں دھوکے میں ڈال دیا ہے۔

یہ سب کچھ دین کے نام پر اور دین کی چھتری کے نیچے ہو رہا ہے، یعنی دعویٰ یہ کیا جا رہا ہے کہ ہم دین کا تحفظ کر رہے ہیں، اس کے نفاذ کے لیے کوشاں ہیں، اجتہاد سے کام لے رہے ہیں۔ وہ زہد وورع کا لباس اوڑھے ہوئے ہیں اور مثالیت پسندی کے مرض میں مبتلا ہیں۔ دین حق ایسے تمام فاسد نظریات اور خیالات سے مبرّا ہے۔ یہ تو شیطان اور خواہشات نفسانی کی پیروی ہے جبکہ رحمان کے دوستوں اور شیطان کے پیروکاروں میں واضح فرق ہے۔

انہوں نے اپنے تئیں معاشرہ کو مومن، کافر، جاہل اور گمراہ وغیرہ میں بانٹ دیا۔ أولی الامر کو کافر تو نہیں لیکن خطاکار قرار دے کر ان کے خلاف بغاوت کو جائز قرار دیا، حالانکہ اہل حق علما کا ان کی بیعت پر اتفاق ہے۔ وہ علما جن کے علم و فضل کو اُمت نے قبول کیا ہے اور قضاو افتا کے سلسلہ میں انہیں مرجع تسلیم ہے۔ ان لوگوں نے اپنے تکفیر و تضلیل کے فتوے کو معاشرے کے ان افراد پر چسپاں کر دیا جو ان کے نظریے کے مطابق نہ ہوں یا ان کے نقش قدم پر نہ چلتے ہوں یا ان کے سربراہوں اور لیڈروں کے ہاتھ پر بیعت نہ کرتے ہوں خواہ وہ تعلیم یافتہ ہوں یا ان پڑھ، حکمران ہوں یا عوام؛ وہ ان فتووں کی زد میں ضرور آتے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ان کے خیال میں لوگ تین حصوں میں تقسیم ہیں: کافر حکمران، مصلحت پسندی کا شکار علما اور جاہل و گمراہ عوام۔ ان کے خیال میں یہ تینوں گروہ گمراہ ہیں اور

Marfat.com

راست روی (استقامة) سے ہٹے ہوئے ہیں۔ تاہم ان کو راست روی (استقامة) پر لانے کی کوشش میں یہ خود بھی راہ راست سے ہٹ گئے ہیں اور انتہا پسندی کا شکار ہو گئے ہیں۔ بات یہیں تک محدود نہیں رہی، بلکہ یہ اہل ذمہ، پناہ گزین اور قانونی طور پر امن وامان حاصل کرنے والے معصوم افراد کے قتل کو باطل تاویلوں کے ذریعے جائز تصور کرتے ہیں۔ یہ ایک بدیہی سی بات ہے کہ اس قسم کے گروہوں سے تاریخ اسلام بھری ہے۔ یہ مختلف ناموں اور متعدد شکلوں میں موجود رہے ہیں اور ناپید تو نہ ہوئے لیکن انہیں معاشرے میں پذیرائی بھی نہیں مل سکی۔ جب بھی ان کا ستارہ کسی زمانے یا علاقے میں غروب ہوتا ہے تو فوراً کہیں اور سے نمودار ہو جاتا ہے۔ کچھ سادہ لوح یا کینہ پرور لوگ ان کی اتباع کرنے لگ جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان کو بصیرت کی آنکھ دے اور صراط مستقیم دکھائے۔ کیا یہ لوگ نہیں سمجھتے کہ کسی پر کفر کا فتویٰ لگانا کس قدر شر انگیز اور خطرناک ہے! جلد بازی سے لوگوں پر کفر کا فتویٰ لگانے کا شرعی اور عقلی لحاظ سے کوئی جواز نہیں۔ ہماری حیثیت داعی کی ہے، ہم لوگوں کو جنت اور دوزخ میں بھیجنے کا فیصلہ کرنے کے مجاز نہیں ہیں اور نہ دنیا میں اس قسم کا کوئی فیصلہ دے سکتے ہیں، سوائے اس کے کہ جس کے بارے میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے فیصلہ دے دیا ہو۔ لوگوں کو تعلیم، وعظ ونصیحت اور دلیل سے قائل کرنے کی ضرورت ہے نہ کہ سختی اور تشدد کی۔ چنانچہ ہمیں اس معاملہ میں سخت احتیاط برتنے کی ضرورت ہے۔ اس قسم کے فتووں کا دروازہ کھلنے سے امت مسلمہ کی وحدت پارہ پارہ ہو سکتی ہے۔ ہمیں چاہیے کہ لوگوں کے بارے میں رائے زنی سے پہلے ان کی تعلیم وتربیت اور دینی راہنمائی پر توجہ دیں۔

Marfat.com

دوسری بات یہ ہے کہ حکمرانوں اور علما پر کفر کا فتویٰ لگانے سے صرف وہی مخصوص لوگ متاثر نہیں ہوتے بلکہ پوری امت اس کی زد میں آتی ہے کیونکہ اس قسم کے کام سے دو خرابیاں سامنے آتی ہیں:

دینی خرابی

جب وہ علما پر کفر کا فتویٰ لگاتے ہیں تو لوگ ان کے علم کے بارے میں شک میں پڑ جاتے ہیں اور اس طرح ان پر اعتماد میں کمی آجاتی ہے۔ ان سے استفادہ کرنے کا عمل کمزور پڑ جاتا ہے اور یہ بات دین وشریعت کی بنیادوں کو کمزور کر دینے والی ہے۔ علما پر ہی دعوت و تبلیغ کا کام اور دین کے احکام و تعلیمات بیان کرنا واجب ہے کیونکہ وہ انبیا کے وارث ہیں اور دعوت و تبلیغ انہی کا کام ہے۔ کسی معقول وجہ کے بغیر ان کی توہین کرنا درست نہیں۔

معاشرتی خرابی

جب وہ حکمرانوں اور اُمرا پر کفر کا فتویٰ لگاتے ہیں تو اس طرح ان کی اہمیت اپنی ذمہ داریوں کے حوالے سے عوام کی نظر میں مشکوک ہو جاتی ہے، اس طرح دلوں میں ان کے خلاف نفرت پیدا ہو جاتی ہے اور لوگ ان کی بات سننے اور ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ اس سے اختلاف وانتشار برپا ہو جاتا ہے۔ بسا اوقات اس کا نتیجہ خانہ جنگی کی شکل میں نکلتا ہے، نفاذ شریعت میں رکاوٹیں پیدا ہوتی ہیں اور ملک و ملت تباہی سے دوچار ہو جاتے ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں سیدھے راستے پر چلائے اور گمراہی سے بچائے۔ آمین!

اس نظریے کے حاملین فطرت سلیمہ سے ہٹ چکے ہیں اور حق سے دور ہو گئے ہیں۔ ان کے دینی تصورات بدل گئے ہیں، یہاں تک کہ ان کے نزدیک باطل حق بن گیا اور حق باطل ہو گیا ہے۔ فساد کو اصلاح کا عنوان دے دیا گیا اور حکمت و اصلاح فساد بن گئے ہیں جبکہ قتل، تخریب

Marfat.com

کاری اور شدت پسندی کو جہاد قرار دے ڈالا گیا ہے۔ لوگوں کو کافر قرار دینا ان کا بنیادی عقیدہ و اصول بن گیا ہے۔ یہ رویہ کم فہمی، بے بصیرتی، ناشکری اور دینی تعلیمات سے دوری کی وجہ سے ہے۔ یہ امت مسلمہ کے اجماع سے بغاوت اور ہٹ دھرمی ہے کہ اللہ کے نیک بندوں کے خلاف فتوے صادر کیے جائیں خواہ وہ علما ہوں، حکمران یا عوام۔ ہم اللہ ہی سے فریاد کرتے ہیں اور اسی سے ہدایت اور ثابت قدمی مانگتے ہیں۔ یہ سب اس لیے ہے کہ ان نوجوانوں نے راست روی (استقامة) کی راہ ترک کر دی ہے اور اس کے عملی نفاذ میں کوتاہی کے مرتکب ہو رہے ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ میں نے راست روی (استقامة) کو اس کتاب کا موضوع بنایا ہے۔ مجھے راست روی کی اہمیت کا بھی اندازہ ہے اور اس کے مفہوم، دلائل اور ذرائع کا بھی، جن سے خود اپنے نفس اور معاشرے کے تمام افراد کے لیے عملی نفاذ کی صورت پیدا ہو سکے اور وہ ان کے لیے اللہ کی توفیق و اعانت سے حفاظت کا ذریعہ ہو، جو انہیں ہر بے راہ روی اور کج روی سے خواہ وہ فکر میں ہو یا رویے میں محفوظ کر دے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے راہِ راست پر ثابت قدمی کے لیے دعا گو ہیں، تاکہ ان لوگوں میں سے ہو جائیں جن کے بارے میں اللہ نے فرمایا ہے: ﴿مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُم مَّن قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُم مَّن يَنتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا﴾ [الاحزاب ۳۳: ۲۳] (مومنوں میں کتنے ہی ایسے شخص ہیں کہ جو اقرار اُنہوں نے اللہ سے کیا تھا اس کو سچ کر دکھایا۔ تو ان میں بعض ایسے ہیں جو اپنی نذر سے فارغ ہو گئے اور بعض ایسے ہیں کہ انتظار کر رہے ہیں اور اُنہوں نے (اپنے قول کو) ذرا بھی نہیں بدلا)۔ یہ وہی لوگ ہیں جن کے نزدیک حق کے اصول اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں۔

Marfat.com

راست روی (استقامة): حقیقت پسندی یا مثالیت پسندی؟

ہم اس راست روی (استقامة) کے بارے میں گفتگو کر رہے ہیں جو اسلام میں مطلوب ہے اور ہم سب کو بھی اس قسم کی راست روی اپنے لیے اور اپنے معاشرے کے لیے مطلوب ہے۔ واضح رہے کہ جو راست روی ہمیں مطلوب ہے وہ حقیقی راست روی ہے جو اسلام کے عادلانہ اور اعتدال پر مبنی موقف کے عین مطابق ہو، جو فطرت انسانی اور انسانی مزاج سے مناسبت رکھتی ہو۔ اس لیے کہ شاید ہی کوئی فرد کوتاہی اور عیبوں سے پاک ہو اور غلطی اور کمزوری سے محفوظ ہو۔ تمام کمال تو اللہ ہی کو حاصل ہے اور حفاظت و عصمت اللہ کے نبیوں اور رسولوں کے ساتھ خاص ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَاسْتَقِيمُوا إِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوهُ﴾ [فصلت ۴۱: ۶] (تم سیدھے اسی کی طرف (متوجہ) رہو اور اسی سے مغفرت مانگو)۔

اس آیت میں اشارہ ہے کہ وہ راست روی (استقامة) جس کا حکم ہوا ہے اس میں اضمحلال اور کمی و کمزوری آسکتی ہے اور یہ کمی استغفار کے ذریعے دور ہوتی ہے، جس سے توبہ اور استقامت کی راہ ہموار ہو۔[1] اس مفہوم پر رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد بھی دلالت کرتا ہے جسے امام احمدؒ اور ابن ماجہؒ نے حضرت ثوبانؓ سے روایت کیا ہے: اسْتَقِيمُوا، وَلَنْ تُحْصُوا، وَاعْلَمُوا أَنَّ خَيْرَ أَعْمَالِكُمُ الصَّلَاةَ، وَلَا يُحَافِظُ عَلَى الْوُضُوءِ إِلَّا مُؤْمِنٌ[2] (راست

---

1 ابن رجب، جامع العلوم والحکم، ص۱۷۹

2 سنن ابن ماجہ، کتاب الطھارۃ وسننھا، باب المحافظة على الوضوء، حديث۲۷۷؛ مسند احمد، تتمة مسند الأنصار، حديث۲۲۳۷۸

Marfat.com

روی اختیار کرو، اگرچہ اسے پوری طرح اختیار کرنا تمہارے بس کی بات نہیں اور جان لو کہ تمہارے اعمال میں سب سے افضل نماز ہے اور وضو کی پابندی صرف مومن ہی کر سکتا ہے۔

یعنی ہر چیز میں راست روی سے کام لو، تاکہ دوسری طرف مائل نہ ہو جاؤ اور تم مکمل طور پر راست روی پر نہیں چل سکتے، جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿عَلِمَ أَنْ لَنْ تُحْصُوهُ﴾ [المزمل ۷۳: ۲۰] یعنی تم اس کی پابندی نہیں کر سکتے۔ مطلب یہ کہ راست روی ایک بھاری پتھر ہے، اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے واضح فرمایا کہ لوگ اس کی طاقت نہیں رکھتے بلکہ جو چیز ضروری ہے وہ یہ کہ اس کے حصول کی تگ و دو میں لگے رہیں۔

اس بنا پر یہ ناممکن ہے کہ ہم ایسے معاشرے کا تصور کریں جو ہر قسم کی خرابی، کجی اور انحراف سے پاک ہو خواہ وہ انحراف کسی نوعیت کا بھی ہو۔ اس طرح کا معاشرہ تو ایک مثالیت پسندی والا خیالی معاشرہ ہی ہو سکتا ہے جو صرف فلسفیوں کی تعلیمات میں ہی ملتا ہے، فی الواقع ایسا ہونا ممکن نہیں، یہ حقیقت کے بھی منافی ہے، انسانی طبیعتوں کے بھی مطابق نہیں۔ ایک انسانی معاشرے میں مختلف مزاج رکھنے والے افراد موجود ہوتے ہیں اور آسمانی رشد و ہدایت کو قبول یا رد کرنے کے اعتبار سے لوگوں کے رویے مختلف ہوتے ہیں۔ اس لحاظ سے ایک ایسے مثالی معاشرے کا قیام محال ہے جو ہر قسم کی برائی سے پاک ہو۔

اس کی تائید اس اسلامی معاشرے کی صورت حال سے بھی ہوتی ہے جس کی تشکیل مدینہ میں خود رسول اللہ ﷺ نے فرمائی تھی اور آپ ﷺ کے بعد بھی کئی صدیوں تک وہ قائم رہا اور اپنے خدوخال، تہذیب و ثقافت، اخلاق و عادات اور سوچ و فکر میں نمایاں تھا۔ ان اچھی صفات کے غالب ہونے کے باوجود اس معاشرے میں بھی کچھ نافرمان، باغی، منافق، ملحد، زندیق، مرتد، بدعتی، خواہش پرست، ظالم، جنونی، چور اور ڈاکو وغیرہ موجود تھے لیکن رسول

Marfat.com

اکرم ﷺ کے قائم کردہ اس معاشرے میں قانون کی حکمرانی تھی، اسلامی اقدار اور اخلاقیات کو بالادستی حاصل تھی اور شریعت زندگی کے تمام شعبوں میں نافذ تھی۔ کسی اور رخ پر جانے والوں کو کسی قسم کی رعایت نہیں ملتی تھی۔ قرآن وسنت سے ہی راہنمائی لی جاتی تھی اور ان پر عمل کیا جاتا تھا۔ فیصلہ مجموعی اور عمومی طور پر کیا جاتا ہے نہ کہ انفرادی اور شاذ و نادر حالات کے تناظر میں۔ ان لوگوں نے اسلام کو بحیثیت نظام زندگی اور اس کی شریعت کو ایک بالادست قانون کے طور پر تسلیم کیا ہوا تھا۔[1]

مجھے ان لوگوں پر تعجب ہے جو ہر چیز میں مثالیت کے متلاشی ہیں اور ایک ایسا مثالی معاشرہ قائم کرنے پر زور دیتے ہیں جو ہر قسم کے گناہ اور کمزوریوں سے پاک ہو۔ یہ حضرات لوگوں کو خطاکار بلکہ کافر تک ٹھہراتے ہیں مگر خود ان کا اپنا حال یہ ہے کہ ان کا کردار، اخلاق اور ان کے رویے ان کے دعووں کی تائید نہیں کرتے اور ان کو اس کا اہل نہیں ٹھہراتے کہ ایسے معاشرے کے افراد بن سکیں جس کا یہ دعویٰ کرتے ہیں چہ جائے کہ انہیں ان کے خیال کے مطابق اس معاشرے کی ذمہ داریاں سونپ دی جائیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اپنی رائے پر اصرار، باطل کی خاطر لڑنا، کج بحثی، خود پسندی، حسد، کینہ اور ظلم جیسے امراض سے بہت کم لوگ بچ پاتے ہیں۔ ایسے لوگ وہ مقاصد حاصل کرنے سے کوسوں دور ہیں جن کا وہ اپنے لیے اور اپنے پیروکاروں کے لیے دم بھرتے ہیں تو وہ دوسروں کے لیے کیا کریں گے۔ یقیناً یہ صریح گمراہی اور دین سے لاعلمی کا کھلا مظہر ہے۔

1 بحوالہ ڈاکٹر خیاط، المجتمع المتکامل

Marfat.com

استقامت کا معنیٰ و مفہوم

لغوی معنیٰ

استقامت لغت میں اعتدال اور برابری کو کہتے ہیں۔ عرب کہتے ہیں: استقام له الأمر یعنی اس کا کام ٹھیک اور برابر ہو گیا۔ خط مستقیم، سیدھے راستے اور راہِ راست کو بھی اسی سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اللہ کا فرمان ہے: ﴿اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ﴾ [الفاتحہ۱: ۶] (ہم کو سیدھے رستے چلا)۔

اصطلاحی معنیٰ

علما کے ہاں اس پر اختلاف رہا ہے کہ استقامت کا اصطلاحی معنیٰ کیا ہے اور اس سے کیا مراد ہے؟ اس کی جامع و منضبط تعریف کیا ہے؟ شاید اس اختلاف کی وجہ قرآن وحدیث کے دلائل اور ان کی مختلف قسم کی دلالت ہو۔

حضرت ابو بکرؓ سے دریافت کیا گیا کہ استقامت کیا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا ہی استقامت ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: استقامت یہ ہے کہ آپ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرتے رہیں اور اس سے لومڑی کی طرح نہ بھاگیں۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا: استقامت اخلاص ہی کا نام ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا: استقامت فرائض کی ادائیگی کا نام ہے۔ ایسا ہی ایک قول ابن عباسؓ سے بھی منقول ہے۔[1]

بعض راست فکر اصحاب کا کہنا ہے: استقامت کی تین قسمیں ہیں: قولی استقامت، ارادے کی استقامت اور شخصی استقامت۔ قولی استقامت سے مراد کلمہ شہادت پر ثابت قدمی،

---

1 خازن، ابوالحسن علی بن محمد، لباب التأويل في معاني التنزيل ۵: ۳۸۳

Marfat.com

ارادے کی استقامت سے مراد سچے ارادے پر قائم رہنا اور شخصی استقامت کا مطلب ہے بندگی وعبادت پر ثابت قدم رہنا۔[1]

علامہ راغبؒ اپنی کتاب المفردات[2] میں لکھتے ہیں: "انسان کی استقامت سیدھے راستے پر قائم رہنے کا نام ہے۔" اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا﴾ [فصلت ۴۱: ۳۰] (جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر وہ (اس پر) قائم رہے)۔ گویا استقامت کی تعریف[3] یہ ہے کہ یہ صراط مستقیم پر جم کر چلنے کا نام ہے اور یہ وہ صحیح اور درست راستہ ہے جس میں اُدھر ادھر کی کوئی کجی نہیں اور تمام ظاہری وباطنی نیکیوں پر محیط ہے۔ اسی طرح اس میں نہی عن المنکر بھی شامل ہے۔

یوں اس بلیغ عبارت میں تمام دینی خصائص جمع ہیں۔ یہ ضروری ہے کہ انسان صاحب استقامت ہو، میانہ رو ہو، افراط اور تفریط کا شکار نہ ہو اور اللہ کے حکم پر ثابت قدم رہے۔ اس کی اطاعت پر عمل کرے چاہے ظاہری ہو یا باطنی اور تمام گناہوں سے دور رہے۔ مختصر یہ کہ استقامت کا معنی تمام امور میں میانہ روی ہے، ان کا تعلق اقوال سے ہو یا افعال سے۔ نیز وہ ان کاموں میں اس وقت اپنے نفس کی حفاظت کرے جب وہ افضل واکمل حالت میں ہو، تاکہ اس سے کوئی بُرا رویہ ظاہر نہ ہو اور نہ کسی جانب سے اسے مذمت اور ملامت کا سامنا کرنا پڑے۔

---

1 خویری، عثمان بن حسن، درة الناصحين، ص۲۱۰

2 راغب اصفہانی، المفردات في غريب القرآن، ص۴۱۸

3 ابن رجب، جامع العلوم والحكم، ص۱۷۸

Marfat.com

راست روی (استقامه) کی ضرورت واہمیت

قرآن و سنت میں راست روی (استقامه) کی ترغیب اور اس کے ضروری ہونے کے بہت سے دلائل ہیں۔

الف۔ قرآن سے دلائل

قرآن میں ارشاد ہے: ﴿إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ﴾ [فصلت ۴۱: ۳۰] (جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر وہ (اس پر) قائم رہے ان پر فرشتے اُتریں گے (اور کہیں گے) کہ نہ خوف کرو اور نہ غم ناک ہو اور بہشت کی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا خوشی مناؤ)۔

مطلب یہ کہ جن لوگوں نے اللہ کی ربوبیت کا اعتراف اور اس کی وحدانیت کا اقرار کیا اور عمل پر ثابت قدم رہے یعنی ایمان، اخلاص اور عمل کے ساتھ فرائض کی ادائیگی پر ڈٹے رہے تو اس کا اجر یہ ہے کہ ان کی مدد کے لیے فرشتے اتریں گے۔ اللہ نے ان کے سینے کھول دیے ہیں اور خوف و غم سے ان کو نجات دے دی ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ أُولَئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ خَالِدِينَ فِيهَا جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ [الاحقاف ۴۶: ۱۴-۱۳] (بے شک وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے اور پھر اس پر قائم رہے تو ان کو نہ کوئی ڈر ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے اور وہی لوگ ہمیشہ بہشت میں رہیں گے، یہ اجر ہے ان کاموں کا جو وہ کیا کرتے تھے)۔

Marfat.com

اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی اطاعت میں استقامت پر بہت بڑا اجر و ثواب عطا کرتا ہے۔ جنت کی بشارت سے بڑھ کر اجر و ثواب اور کیا ہو سکتا ہے، بلکہ جنت میں داخل ہونا اور سدا رہنا اجر عظیم ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں استقامت نصیب فرمائے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ﴾ [هود ۱۱: ۱۱۲] (سو) اے پیغمبر) جیسا تم کو حکم ہوتا ہے (اس پر) تم اور جو لوگ تمہارے ساتھ تائب ہوئے ہیں قائم رہو اور حد سے تجاوز نہ کرنا۔ وہ تمہارے سب اعمال کو دیکھ رہا ہے)۔

اس کا مفہوم یہ ہے کہ اے محمد ﷺ! آپ اپنے رب کے دین پر ثابت قدم رہیں اور اس پر عمل کریں اور اسی کی طرف لوگوں کو بلائیں جیسا کہ آپ کے رب نے آپ کو حکم دیا ہے اور جنہوں نے آپ کی طرف رجوع کیا اور جو حکم ملا ہے اس سے آگے نہ بڑھنا۔

۴۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ فَاسْتَقِيمُوا إِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوهُ﴾ [فصلت ۴۱: ۶] (کہ تمہارا معبود اللہ واحد ہے تو سیدھے اسی کی طرف (متوجہ) رہو اور اسی سے مغفرت مانگو)۔

۵۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَأَن لَّوِ اسْتَقَامُوا عَلَى الطَّرِيقَةِ لَأَسْقَيْنَاهُم مَّاءً غَدَقًا﴾ [الجن ۷۲: ۱۶] (اگر یہ لوگ سیدھے رستے پر رہتے تو ہم ان کے پینے کو بہت سا پانی مہیا کرتے)۔ یہ کنایہ ہے کہ اس بات سے جو لوگ اللہ کے حقوق کی ادائیگی اور بندگی میں مخلص ہوں تو ان کے لیے رزق کی وسعت ہوتی ہے۔

Marfat.com

۶۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ﴾ [الفاتحہ۱: ۶] (ہم کو سیدھے راستے پر چلا)۔

۷۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَأَنَّ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ﴾[الانعام۶: ۱۵۳] (اور یہ کہ میرا سیدھا رستہ یہی ہے تو تم اسی پر چلنا)۔

۸۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَمَنْ يَعْتَصِمْ بِاللهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ﴾ [آل عمران۳: ۱۰۱] (اور جس نے اللہ (کی ہدایت کی رسی) کو مضبوط پکڑ لیا وہ سیدھے رستے لگ گیا)۔

یہ اور دیگر ایسی آیات انسانوں کو اللہ کی طرف سیدھی راہ پر کاربند رہنے کی ترغیب دیتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا و آخرت میں اپنے موحد اور ثابت قدم بندوں کے لیے عظیم اجر و ثواب کا وعدہ کر رکھا ہے بشرطیکہ ان کا ایمان سلامت ہو اور نبی کے لائے ہوئے طریقوں پر ظاہری اور باطنی طور پر چلیں۔

کتنی خوبصورت ہے استقامت اور کس قدر خیر جمع کرنے والی ہے اور اس سے رزق کس قدر وسعت پذیر ہوتا ہے! وہ لوگ بہت خوش نصیب ہیں جو ان صفات سے آراستہ ہوں۔

ب۔ احادیث سے دلائل

۱۔ صحیح مسلم میں حضرت سفیان بن عبداللہ ثقفیؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے آپ ﷺ سے پوچھا: قُلْ لِي فِي الْإِسْلَامِ قَوْلًا لَا أَسْأَلُ عَنْهُ أَحَدًا بَعْدَكَ، قَالَ: قُلْ

Marfat.com

آمَنْتُ بِاللهِ، فَاسْتَقِمْ[1] (مجھے اسلام کے بارے میں ایسا راہنما اصول بتائیے کہ جس کے متعلق آپ کے بعد کسی اور سے پوچھنا نہ پڑے۔ آپ نے فرمایا: کہہ دو کہ میں اللہ پر ایمان لاتا ہوں اور پھر اس پر ثابت قدم رہو۔)

یعنی ثابت قدم رہو، اس کا مطلب یہ ہے کہ نیک کاموں پر ثابت قدم رہو اور تمام گناہوں سے دور رہو۔ استقامت کج روی کے ساتھ نہیں چل سکتی کیونکہ کج روی استقامت کی ضد ہے۔ امام نوویؒ نے کہا ہے کہ یہ ان احادیث میں سے ایک ہے جن پر اسلام کا دارومدار ہے۔[2]

۲۔ صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

قَارِبُوا وَسَدِّدُوا، وَاعْلَمُوا أَنَّهُ لَنْ يَنْجُوَ أَحَدٌ مِنْكُمْ بِعَمَلِهِ قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ وَلَا أَنْتَ؟ قَالَ: وَلَا أَنَا، إِلَّا أَنْ يَتَغَمَّدَنِيَ اللهُ بِرَحْمَةٍ مِنْهُ وَفَضْلٍ.[3]

(رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اعمال میں میانہ روی اختیار کرو اور درست راہ پر چلو، جان لو کہ تم میں سے کوئی بھی اپنے عمل کی بدولت ہرگز نجات نہیں پاسکتا۔ صحابہؓ نے کہا، اے اللہ کے رسول! آپ بھی نہیں؟ فرمایا کہ ہاں میں بھی نہیں۔ ہاں اگر اللہ پاک مجھے اپنی رحمت اور فضل وکرم سے ڈھانپ لے (تو پھر ممکن ہے)۔

1 صحیح مسلم، كتاب الإيمان، باب جامع أوصاف الإسلام، حديث ٦٢

2 صدیقی، محمد بن علان، دليل الفالحين شرح رياض الصالحين ١: ٢٨٣

3 صحیح مسلم، كتاب صفة القيامة والجنة والنار، باب، لن يدخل أحد الجنة بعمله بل برحمة الله تعالى، حديث ٢٨١٦

UNIVERSITY LIBRARY

Marfat.com

مقاربہ کا مطلب عمل اس انداز سے کرنا ہے کہ جس میں نہ حد سے تجاوز ہو اور نہ کسی قسم کی کوتاہی برتی گئی ہو۔ سداد کا معنیٰ ہے حق تک پہنچنا اور پھر اس پر ثابت قدم رہنا۔[1] بعض علما کا کہنا ہے کہ سداد کا معنیٰ ہے: "اقوال اور اعمال و مقاصد میں حق بات تک رسائی حاصل کرنا۔" ان امور میں حق بات تک رسائی کا نام ہی راست روی ہے۔

راست روی کی بنیادیں

راست روی کی مختلف بنیادیں ہیں جن پر اس کی عمارت کھڑی ہے۔ اس کے بغیر انسان اپنی تخلیق کے اعلیٰ مقاصد حاصل نہیں کر سکتا۔ یہ بنیادیں یا ارکان ہماری نظر میں یہ ہیں: اصلاح، اہل سنت والجماعت کے مسلک پر استقامت، میانہ روی، حسن اخلاق اور نیک صحبت۔ ذیل میں ہم ہر ایک رکن کی مختصر وضاحت کریں گے اور موقع کی مناسبت سے اس کی کچھ تفصیل بیان کریں گے۔

الف۔ اصلاح

وہ امور یا اعمال جو انسان کے ظاہر و باطن سے سرانجام پاتے ہیں ان میں اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقے کو اختیار کرے اور اس سے ذرا پیچھے نہ ہٹے۔ یہ کام دو اصولوں پر مبنی ہے:

ا۔ **ظاہری اصلاح:** اللہ کے احکام پر اس طرح عمل پیرا ہونا کہ ان کے ظاہری تقاضے پورے ہو جائیں، چاہے وہ عبادات ہوں جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج یا دیگر امور۔ نفلی عبادات اور مستحب

---

1 ریاض الصالحین، ص۵۵

Marfat.com

اعمال کا اہتمام کرنا، حرام، مکروہ اور دیگر ناپسندیدہ اعمال ترک کرنے کی جدوجہد کرنا اصلاح کا تقاضا ہے۔

۲۔ باطنی اصلاح: یہ اللہ پر مکمل اور پختہ ایمان کا تقاضا کرتی ہے تاکہ توحید کا حقیقی مقصد حاصل ہو اور اس کے تقاضے پورے ہو سکیں۔ باطنی اصلاح کے لیے ضروری ہے کہ آدمی توحید و رسالت کی حقیقت سے آگاہ ہو اور اس کے مطابق عمل بھی کرے۔ اس بات پر ایمان لانا کہ اسلام ہی زندگی کا حقیقی راہنما ہے، ایک اللہ ہی قانون ساز ہے اور کوئی بھی انسان خواہ اس کا مقام کیسا ہی کیوں نہ ہو شرعی قانون بنانے کا اختیار نہیں رکھتا۔ جو اللہ سے برابری کا دعویٰ کرے گا وہ دنیا و آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿أَمْ لَهُمْ شُرَكَاءُ شَرَعُوا لَهُمْ مِنَ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنْ بِهِ اللَّهُ﴾ [الشوریٰ ۴۲: ۲۱] (کیا ان کے وہ شریک ہیں جنہوں نے ان کے لیے ایسا دین مقرر کیا ہے جس کا اللہ نے حکم نہیں دیا۔)

راست روی (استقامة) کا مرکز و محور

دل کی راست روی کی بنیاد اور محور و مرکز توحید کے ساتھ ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس فرمان الٰہی: ﴿إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا﴾ [فصلت ۴۱: ۳۰] (جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر وہ (اس پر) قائم رہے) کی تفسیر میں کہا: "یعنی وہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف متوجہ نہ ہوئے۔" جب دل میں اللہ کی معرفت ہو، دل اس کے جلال، محبت اور ہیبت سے لبریز ہو، اسی سے امید اور اسی پر توکل ہو، ہر ایک سے منہ موڑ کر صرف اسی کا بندہ ہو جائے تو انسان کے تمام اعضا اللہ کے حکم کے تابع ہو جاتے ہیں۔ دل تمام اعضا کا

Marfat.com

مرکز ہے، باقی تمام اعضا اس کے تابع ہیں گویا بادشاہ ثابت قدم ہو تو رعایا اور لشکر بھی ثابت قدم ہوں گے۔[1] رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے جسے امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے روایت کیا ہے:

أَلاَ وَإِنَّ فِي الجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الجَسَدُ كُلُّهُ، وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الجَسَدُ كُلُّهُ، أَلاَ وَهِيَ القَلْبُ[2] (آگاہ رہو! جسم میں ایک لوتھڑا ہے جو ٹھیک ہو تو سارا جسم ٹھیک رہتا ہے اور اگر اس میں خرابی پیدا ہو جائے تو سارا جسم خراب ہو جاتا ہے۔ آگاہ رہو! وہ لوتھڑا دل ہے)۔

اسی دل کی راستی اور اصلاح سے ایمان میں پختگی آتی ہے۔ امام احمدؒ اور ابن ابو دنیاؒ نے رسول اللہ ﷺ کا فرمان نقل کیا ہے:

لَا يَسْتَقِيمُ إِيمَانُ عَبْدٍ حَتَّى يَسْتَقِيمَ قَلْبُهُ[3] (کسی بندے کا ایمان اس وقت تک درست نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کا دل درست نہ ہو جائے۔)

یہی وجہ ہے کہ دل کو انحراف سے بچانے کے لیے اسلام بہت سارے وسائل بروئے کار لاتا ہے تاکہ یہ گناہوں کی دلدل میں پھنس کر نہ رہ جائے۔ ان کی نمایاں اقسام میں سے ایک قسم دل کی سختی سے خبردار کرنا ہے۔ یہ ایک خطرناک بیماری ہے جو نہ ختم ہونے والی ہے۔ یہ انسان کو نیکی کرنے سے دور کر دیتی ہے۔ یہ ہدایت کے راستے سے روکتی ہے اور گناہوں اور

---

1 ابن رجب، جامع العلوم والحكم، ص۱۷۹

2 صحیح بخاری، کتاب الإيمان، باب فضل من استبرأ لدينه، حدیث ۵۲؛ صحیح مسلم، باب أخذ الحلال وترك الشبهات، حدیث ۱۵۹۹

3 مسند احمد، مسند المكثرين من الصحابة، مسند أنس بن مالك، حدیث ۱۳۰۴۸

Marfat.com

منکرات میں پھنساتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ اپنی مرضی سے فساد برپا کرتا ہے اور خلاف فطرت کاموں اور خواہشات کے بھنور میں پھنس جاتا ہے۔ وہ حق اور ہدایت کو قبول نہیں کرتا، باطل سے ہٹنے پر آمادہ نہیں ہوتا اور اپنی نادانی پر اَڑ جاتا ہے۔ اگرچہ اس کو مسلسل وعظ و نصیحت کی جاتی رہے یہاں تک کہ فتنہ اس کو آگھیرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿لِيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ فِتْنَةً لِلَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ وَالْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُمْ وَإِنَّ الظَّالِمِينَ لَفِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ﴾ [الحج۲۲: ۵۳] (غرض (اس سے) یہ ہے کہ جو (وسوسہ) شیطان ڈالتا ہے اس کو ان لوگوں کے لیے جن کے دلوں میں بیماری ہے اور جن کے دل سخت ہیں ذریعہ آزمائش ٹھہرائے۔ بے شک ظالم پرلے درجے کے عناد میں ہیں)۔

قبولیتِ اعمال کی شرائط

دینی کام کوئی بھی ہو چاہے وہ اقوال ہوں یا بدنی اعمال، ان میں دو شرائط کا پایا جانا ضروری ہے: ایک اخلاص اور دوسرا اتباع رسول اللہ (ﷺ)۔

پہلی شرط: اخلاص

اخلاص یہ ہے کہ کوئی بھی عمل صرف اللہ کی رضا کے لیے کیا جائے اور اس میں دکھلاوا نہ ہو یعنی بغیر کسی دکھلاوے کے عمل کیا جائے، جیسا کہ ابن عطاؒ کا قول ہے: عمل ایک قالب ہے جس میں اخلاص کو روح کا درجہ حاصل ہے۔ جنید بغدادیؒ کہتے ہیں: اخلاص اللہ اور بندے کے درمیان وہ راز ہے جو فرشتوں کو بھی معلوم نہیں تو وہ اس کو کیسے لکھیں، شیطان کو معلوم نہیں تو وہ اس کو کیسے بگاڑے، نہ خواہش نفس کا ہی وہاں گزر ہے کہ اس میں کھوٹ پیدا کرسکے۔

اس لیے ہر عمل کے لیے ضروری ہے کہ محض اللہ تعالیٰ کی رضامندی پیش نظر ہو۔

Marfat.com

دوسری شرط: رسول اللہ ﷺ کی اتباع

یعنی بندے کا عمل کتاب اللہ کے احکام اور رسول اللہ ﷺ کے قولی، فعلی یا تقریری فرمان کے مطابق ہو۔ ان شرائط میں سے کسی میں بھی کوئی خلل یا کمی آنے سے عمل قابلِ قبول نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿فَمَنْ كَانَ يَرْجُو لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهِ أَحَدًا﴾ [الکہف۱۸ :۱۱۰] (توجو شخص اپنے پروردگار سے ملنے کی امید رکھے اسے چاہیے کہ نیک عمل کرے اور اپنے پروردگار کی عبادت میں کسی کو شریک نہ بنائے)۔

اللہ تعالیٰ نے یہاں حکم دیا ہے کہ جو بھی عمل کیا جائے وہ صالح ہونا چاہیے یعنی وہ شریعت کے مطابق ہو اور وہ عمل صرف اللہ کے لیے ہو اور اس سے کچھ اور مقصود نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿أَلَا لِلَّهِ الدِّينُ الْخَالِصُ﴾ [الزمر۳۹: ۳] (دیکھو خالص عبادت اللہ ہی کے لیے (زیبا ہے)۔ مزید فرمایا: ﴿وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ﴾ [البینۃ۹۸: ۵] (اور ان کو حکم تو یہی ہوا تھا کہ اخلاص عمل کے ساتھ اللہ کی عبادت کریں) وہ اطاعت و بندگی جس میں اخلاص کا حکم دیا گیا وہ اسلام، ایمان اور احسان سے عبارت ہے۔ حدیث جبریل میں اس کا ذکر تفصیل سے کیا گیا ہے۔

ضروری ہے کہ ہر عمل خاص اللہ ہی کے لیے ہو، اس سے اللہ کی رضامندی مطلوب ہو اور یہ کہ وہ عمل قرآن و سنت سے ہم آہنگ ہو۔ مسلمان سے یہ تقاضا ہے کہ وہ ایک درست اور خالص اسلامی عقیدے کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھالے جو انسان کو بندگی میں انحراف سے، عقل کو شرک کی آلودگی سے اور سوچ کو کج روی سے بچا سکے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿فَأَقِمْ

Marfat.com

وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيفًا فِطْرَتَ اللهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللهِ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾ [الروم ۳۰:۳۰] (تو تم ایک طرف کے ہو کر دین (اللہ کے رستے) پر سیدھا منہ کیے چلے جاؤ (اور) اللہ کی فطرت کو جس پر اُس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے (اختیار کیے رہو) اللہ کی بنائی ہوئی (فطرت) میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔ یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے)۔

فرمایا: ﴿قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ [الانعام ۶: ۱۶۲] (کہہ دو کہ میری نماز اور میری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ رب العالمین ہی کے لیے ہے)۔

ب۔ اہل سنت والجماعت کے طریقہ پر قائم رہنا

اہل سنت والجماعت اس امت کے اسلاف ہیں یعنی صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ۔ یہ حضرات اس واضح حق پر جمع ہوئے جو کتاب اللہ و سنت رسول اللہ سے ثابت ہے۔ اہل سنت والجماعت کے طریقہ پر ثابت قدمی سے مراد رسول اللہ ﷺ کے صحابہؓ و تابعینؒ کے طریقہ پر چلنا ہے، کیونکہ ان کی پیروی میں ہدایت ہے اور ان کے طریقہ کے خلاف چلنا گمراہی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ [آل عمران ۳: ۳۱] ((اے پیغمبر لوگوں سے) کہہ دو کہ اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ بھی تمہیں دوست رکھے گا اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے)۔

Marfat.com

نیز ارشاد ہے: ﴿وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا﴾ [النساء۴:۱۱۵] (اور جو شخص سیدھا راستہ معلوم ہونے کے بعد پیغمبر کی مخالف سمت اختیار کرے اور مومنوں کے راستے کے سوا اور راستے پر چلے تو جدھر وہ چلتا ہے ہم اسے ادھر ہی چلنے دیں گے اور (قیامت کے دن) جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بری جگہ ہے)۔ نیز فرمایا: ﴿وَأَنَّ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ذَلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ [الانعام۶: ۱۵۳] (اور یہ کہ میرا سیدھا رستہ یہی ہے تو تم اسی پر چلنا اور اور رستوں پر نہ چلنا کہ (ان پر چل کر) اللہ کے رستے سے الگ ہو جاؤ گے ان باتوں کا اللہ تمہیں حکم دیتا ہے تاکہ تم پرہیز گار بنو)۔

نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: إِنَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ افْتَرَقَتْ عَلَى إِحْدَى وَسَبْعِينَ فِرْقَةً، وَإِنَّ أُمَّتِي سَتَفْتَرِقُ عَلَى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِينَ فِرْقَةً، كُلُّهَا فِي النَّارِ، إِلَّا وَاحِدَةً وَهِيَ: الْجَمَاعَةُ[1] (اہل کتاب (یہود ونصاریٰ) اپنے دین میں اختلاف کر کے بہتر فرقوں میں بٹ گئے اور یہ امت عنقریب (اپنی خواہشات کی بنیاد پر) تہتر فرقوں میں بٹ جائیگی، سب جہنم میں جائیں گے مگر ایک گروہ بچ جائے گا اور وہ ہے "الجماعة")۔ دوسری روایت میں ہے: "صحابہؓ نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول! یہ کون لوگ ہیں؟ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا کہ جس طریقہ پر میں اور میرے صحابہ ہیں"۔ تو رسول اللہ ﷺ نے واضح طور پر بتایا کہ دونوں

1 سنن ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب افتراق الأمم، حديث ۳۹۹۳

Marfat.com

طرف سے اختلاف کرنے والے تفرقہ باز جہنم میں جائیں گے اور ہلاک ہوں گے، صرف اہل سنت والجماعت بچ جائیں گے۔

نجات کی وجہ یہ ہے کہ یہ قرآن کو دوسرے ہر انسانی کلام پر فوقیت دیتے ہیں اور سنت رسول اللہ ﷺ کو دوسرے تمام طریقوں پر ترجیح دیتے ہیں اور ظاہر و باطن میں نبی کریم ﷺ کی پیروی کرتے ہیں۔ وہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ نبی ﷺ کا لایا ہوا دین ہی اصل اور بنیاد ہے وہ اپنے باہمی تنازعات و اختلافات میں اسی کو حکم مانتے ہیں۔ جب بھی کوئی اختلاف پیدا ہو جائے تو قرآن و سنت سے رہنمائی لیتے ہیں، اپنی خواہش کی پیروی نہیں کرتے اور نہ خواہش نفس کو مقدم رکھتے ہیں۔ اتحاد و اتفاق کی طرف دعوت دیتے ہیں اور اختلاف و ناچاقی سے دور رہتے ہیں۔ انصاف پسند اور امانت دار لوگوں کو پسند کرتے ہیں اور ظالم اور خیانت کرنے والوں سے بغض رکھتے ہیں۔ حکمرانوں اور ذمہ داروں سے بغاوت کا رویہ اختیار نہیں کرتے، چاہے وہ ظلم کے مرتکب ہی کیوں نہ ہوں۔ نہ ان کے لیے بددعائیں کرتے ہیں اور نہ ان سے تابعداری کا ناتہ توڑتے ہیں اور ان کی فرماں برداری اللہ کا حکم سمجھ کر کرتے ہیں تا وقتیکہ وہ معصیت کا حکم دیں، ان کو نیکی اور عافیت کی دعا دیتے ہیں۔ اللہ کے اس فرمان پر عمل کرتے ہیں: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ﴾ [النساء۴: ۵۹] (اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول اللہ کی اطاعت کرو اور تم میں سے اختیار والوں کی بھی)۔ نبی کریم ﷺ کے اس قول پر عمل کرتے ہیں جسے امام بخاری و امام مسلم نے حضرت ابوہریرہؓ سے نقل کیا ہے:

Marfat.com

مَنْ أَطَاعَنِي فَقَدْ أَطَاعَ الله، وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ عَصَى الله، وَمَنْ يُطِعِ الأَمِيرَ فَقَدْ أَطَاعَنِي، وَمَنْ يَعْصِ الأَمِيرَ فَقَدْ عَصَانِي (جس نے میری اطاعت کی، سو اس نے اللہ کی اطاعت کی، جس نے میری نافرمانی کی تو اس نے درحقیقت اللہ کی نافرمانی کی اور جس نے امیر کی اطاعت کی تو اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی تو اس نے گویا میری نافرمانی کا ارتکاب کیا)۔

صحیح مسلم میں نبی اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

مَنْ رَأَى مِنْ أَمِيرِهِ شَيْئًا يَكْرَهُهُ فَلْيَصْبِرْ، فَإِنَّهُ مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ شِبْرًا، فَمَاتَ، فَمِيتَةٌ جَاهِلِيَّةٌ وفی رواية: فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الْإِسْلَامِ مِنْ عُنُقِهِ (جو حاکم میں کوئی ایسی بات دیکھے جو اسے ناپسند ہو تو اسے صبر سے کام لینا چاہیے کیونکہ جس نے ایک بالشت بھر بھی جماعت سے الگ ہو گیا اور اس حال میں مر گیا تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہے۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ اس نے اپنی گردن سے اسلام کا جوا اتار دیا)۔

مقصد یہ ہے کہ قرآن و سنت پر عمل کیا جائے، اختلاف کی صورت میں مسلمان قرآن و سنت کی طرف رجوع کریں، حکمرانوں کی اطاعت کریں جیسا کہ اہل سنت والجماعت کا طریقہ ہے وہ حکمرانوں کے خلاف بغاوت سے منع کیا کرتے تھے۔ وہ علما کے احترام کی تلقین کیا کرتے تھے اور اجتماعیت میں رہنے کی ترغیب دیتے تھے اور اجتماعیت سے الگ ہونے کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّى بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ﴾ [الشوریٰ ۴۲: ۱۳] (اس نے تمہارے لئے دین کا وہی راستہ مقرر کیا جس (کے اختیار کرنے کا) نوح کو حکم دیا تھا اور جس کی (اے محمد ﷺ) ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی ہے اور جس کا ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو حکم دیا تھا (وہ یہ) کہ دین کو قائم رکھنا اور اس میں پھوٹ نہ ڈالنا)۔

نیز ارشاد ربانی ہے: ﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا﴾ [آل عمران ۳: ۱۰۳] (اور سب مل کر اللہ کی (ہدایت کی رسی) کو مضبوط پکڑے رہنا اور متفرق نہ ہونا اور اللہ کی اس مہربانی کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہوگئے)۔

ج۔ میانہ روی (الوسطية)

الوسطية کا معنی کسی چیز کے دو اطراف کے درمیان والا حصہ ہے۔ توسط سے ہماری مراد دو باہم متعارض یا متقابل چیزوں میں اس طرح توازن قائم کرنا کہ صرف کوئی ایک پہلو اتنا اثر انداز نہ ہو کہ دوسرا پہلو نظروں سے اوجھل رہ جائے، اور ایک اپنے حق سے زیادہ نہ لے اور دوسرے پر غالب آکر اس کا حق نہ چھین لے۔[1] علما کے ہاں اعتدال یا میانہ روی کی تعریف یہ

---

1 ابن حجر، فتح الباري ۱: ۹۴

Marfat.com

ہے کہ یہ وہ پسندیدہ صفت ہے جو فطری طور پر عقل انسانی میں موجود ہوتی ہے اور اس کو ہر افراط و تفریط سے محفوظ رکھتی ہے۔

میانہ روی اسلام کی خصوصیات میں سے ایک نمایاں خصوصیت ہے اور یہ ان بنیادی نشانات راہ میں سے ہے جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اس امت کو دیگر امتوں سے امتیاز بخشا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ﴾ [البقرۃ ۲: ۱۴۳] (اور اسی طرح ہم نے تم کو امتِ معتدل بنایا ہے، تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو)۔ گویا یہ عدل و انصاف اور راہ اعتدال والی امت ہے جو دنیا و آخرت میں اس شخص پر گواہ ہو گی جو صراط مستقیم سے ہٹ جائے گا۔ وہ غلو اسلام دین وسط ہے اور ہر معاملے میں اعتدال سے کام لیتا ہے خواہ دینی معاملات ہوں یا دنیوی۔ غلو، انتہاپسندی، افراط سے دور رہنے کی ہدایت کرتا ہے جس طرح بے راہ روی، اباحیت اور تفریط سے بچنے کی تلقین کرتا ہے۔

وسطیۃ سے مراد ہے سیدھا راستہ اختیار کرتے ہوئے اپنی کسی ایک جانب جھکاؤ سے بچا جائے۔ اس راستے کو اللہ تعالیٰ نے صراط مستقیم کا نام دیا ہے۔ یہ دیگر تمام ادیان کے طریقوں میں ایک منفرد راستہ ہے جو ان قوموں سے جدا راستہ ہے جن پر اللہ کا غضب ہوا ہے اور جو گمراہ ہوئی ہیں کیونکہ ان کا طریقہ زیادتی اور بے اعتدالی سے خالی نہیں تھا جب کہ اللہ کا دین تو اعتدال پر مبنی ہے جیسا کہ دو پہاڑوں کے درمیان وادی ہوتی ہے یا دو گمراہیوں کے درمیان ہدایت یا دو ناپسندیدہ طریقوں میں درمیانہ راستہ۔

امام ابن قیمؒ کہتے ہیں: "شریعت سراپا عدل و رحمت اور تمام تر حکمت و منفعت ہے۔ ہر وہ مسئلہ اور طریق کار جو عدل و انصاف سے باہر نظر آئے، ظلم کی طرف جائے، رحمت کی بجائے

Marfat.com

زحمت بنے، مصلحت کی بجائے فساد و بگاڑ ثابت ہو، حکمت کی بجائے عبث کا باعث ہو تو وہ شریعت نہیں ہے چاہے اس کو تاویلات کے ذریعے اس زمرے میں شامل کیوں نہ کر لیا گیا ہو۔"

نصوص سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ شریعت اسلامی، تکلیف و تنگی کی بجائے آسانی اور وسعت کی دعوت دیتی ہے، میانہ روی اور توازن کی ترغیب دیتی ہے اور ہر قسم کی زیادتی، حد سے تجاوز، انتہا پسندی، تعصب، حقوق و واجبات میں کمی اور بے راہ روی سے نہ صرف روکتی بلکہ سختی سے اس کی مذمت بھی کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿يُرِيدُ اللهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ [البقرۃ ۲: ۱۸۵] (اللہ تمہارے حق میں آسانی چاہتا ہے اور سختی نہیں چاہتا)۔ نیز فرمان ہے: ﴿وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِنْ قَبْلُ وَفِي هَذَا﴾ [الحج ۲۲:۷۸] (اور تم پر دین کی (کسی بات) میں تنگی نہیں کی (اور تمہارے لیے) تمہارے باپ ابراہیم کا دین (پسند کیا) اُسی نے پہلے (یعنی پہلی کتابوں میں) تمہارا نام مسلمان رکھا تھا اور اس کتاب میں بھی)۔

امام احمدؒ، نسائیؒ اور حاکمؒ نے صحیح سند سے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: إِيَّاكُمْ وَالْغُلُوَّ؛ فَإِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِالْغُلُوِّ فِي الدِّينِ (دین میں حد سے بڑھنے سے بچو کیونکہ تم سے پہلے لوگ دین میں حد سے تجاوز کرنے کی وجہ سے ہلاک ہوئے)۔

Marfat.com

امام مسلمؒ نے حضرت ابن مسعودؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: هَلَكَ الْمُتَنَطِّعُونَ- قَالَهَا ثَلَاثًا-[1] (رسول اللہ ﷺ نے تین مرتبہ یہ دہرایا کہ حد سے تجاوز کرنے والے ہلاک ہوگئے)۔ امام نوویؒ کہتے ہیں: متنطع کا معنی ہے حد سے بہت زیادہ تجاوز کرنے والے، خواہ یہ تجاوز اقوال میں ہو یا افعال میں۔ ان دونوں احادیث میں ایسے رویوں کا انجام ہلاکت بتایا گیا ہے اور اس قسم کی تباہی اور نقصان کے اثرات دنیا اور آخرت دونوں میں ہوتے ہیں۔ ہلاکت سے بڑھ کر کیا خسارہ ہو سکتا ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے محفوظ رکھے!

امام ابو یعلیٰؒ نے اپنی مسند میں انس بن مالکؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لاَ تُشَدِّدُوا عَلَى أَنْفُسِكُمْ فَيُشَدِّدَ اللهُ عَلَيْكُمْ، فَإِنَّ قَوْمًا شَدَّدُوا عَلَى أَنْفُسِهِمْ فَشُدِّدَ عَلَيْهِمْ، فَتِلْكَ بَقَايَاهُمْ فِي الصَّوَامِعِ وَالدِّيَارَاتِ------[2] (اپنے اوپر زیادہ سختی نہ کرو ورنہ اللہ تمہارے اوپر سختی کرے گا کیونکہ کچھ لوگوں نے اپنے اوپر سختی کی تو ان پر بھی سختی کی گئی، یہ ان کی عبادت گاہوں کے باقی ماندہ آثار ہیں)۔

امام بخاریؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: إِنَّ الدِّينَ يُسْرٌ، وَلَنْ يُشَادَّ الدِّينَ أَحَدٌ إِلَّا غَلَبَهُ، فَسَدِّدُوا وَقَارِبُوا، وَأَبْشِرُوا، وَاسْتَعِينُوا بِالْغَدْوَةِ وَالرَّوْحَةِ وَشَيْءٍ مِنَ الدُّلْجَةِ[3] (دین آسان ہے اور جو بھی دین کا مقابلہ کرے گا، دین اس پر غالب آجائے گا۔ سیدھی راہ چلو،

---

1 صحیح مسلم، کتاب العلم، باب هلك المتنطعون، حدیث ۲۶۷۰

2 مسند ابو یعلیٰ، ۶: ۳۶۵، حدیث ۳۶۹۴

3 صحیح بخاری، کتاب الإيمان، باب الدين يسر، حدیث ۳۹

Marfat.com

میانہ روی اختیار کرو، خوش خبری قبول کرو، صبح و شام اور رات کی تاریکی کے اوقات سے مدد لو۔)

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ کسی بھی دینی کام میں بے جا سختی کرنے اور آسانی کے پہلو کو نظر انداز کرنے سے انسان اس دینی عمل کو جاری رکھنے سے عاجز آجائے گا اور بالآخر اسے چھوڑ بیٹھے گا۔ ابن منیرؒ کہتے ہیں: "اس حدیث میں نبوت کی نشانیوں میں سے ایک بڑی نشانی یہ ہے کہ ہم نے اپنی آنکھوں سے لوگوں کو دیکھا کہ دین میں اپنے اوپر سختی کرنے والا آخر کار دین ہی کو چھوڑ بیٹھا۔ اس کا مقصد یہ نہیں ہے کہ بطریق احسن عبادت کرنے کی ممانعت ہے بلکہ یہ تو پسندیدہ چیز ہے۔ ممانعت اس سے ہے جو تھکا دے، یہ کہ نفلی عبادت میں اتنا مبالغہ کیا جائے کہ اس سے افضل امور رہ جائیں یعنی فرائض سے غافل کر دے جیسے ایک عابد ساری رات نیند کا مقابلہ کرتے ہوئے تہجد اور نفل ادا کرتا رہے لیکن رات کے آخری حصے میں نیند غالب آجائے اور صبح کی نماز با جماعت ادا کرنے سے رہ جائے۔ عبادت کی ادائیگی کا افضل وقت ضائع ہو جائے اور فرض کی ادائیگی کا وقت ختم ہو جائے اور سورج نکل آئے۔"[1]

سددوا کا معنی یہ ہے کہ افراط و تفریط سے بچتے ہوئے سیدھی راہ چلنا۔ السداد اہل زبان کی اصطلاح میں کسی کام میں میانہ روی اختیار کرنے کا نام ہے۔ اور قاربوا کا معنی یہ ہے کہ اگر تم پورے طور پر کوئی چیز حاصل نہ کر پاؤ تو عمل کا اس سے قریب تر راستہ اپناؤ۔ آپ ﷺ نے ایک اور حدیث میں فرمایا:

---

1 قرضاوی، الخصائص العامة للاسلام، ص ۱۲۷

Marfat.com

يَسِّرُوا وَلاَ تُعَسِّرُوا، وَبَشِّرُوا وَلاَ تُنَفِّرُوا[1] (آسانی پیدا کرو اور سختی مت کرو، خوش خبری سناؤ اور اور متنفر نہ کرو)۔

رسول اللہ ﷺ نے ہر اس سوچ کا مقابلہ کیا جو دین میں سختی کی طرف لے جاتی ہے۔ جو صحابہ کرامؓ عبادت وریاضت میں مبالغہ کرتے تھے آپ ﷺ انہیں منع فرماتے۔ جیسا کہ تین صحابہ کرامؓ کا واقعہ ہے جنہوں نے زیادہ عبادت وریاضت کا اہتمام کرنے کا عزم کیا تھا۔ ایک نے اپنے اوپر لازم کیا کہ وہ ہمیشہ روزے سے رہے گا اور کبھی بھی روزہ نہیں چھوڑے گا، دوسرے نے پوری رات عبادت کرنے کا عزم کیا اور کہا کہ وہ سوئے گا نہیں اور تیسرے نے ساری زندگی کنوارہ رہنے کا عزم کیا، آپ ﷺ نے فرمایا:

أَمَا وَاللهِ إِنِّي لَأَخْشَاكُمْ للهِ وَأَتْقَاكُمْ لَهُ، لَكِنِّي أَصُومُ وَأُفْطِرُ، وَأُصَلِّي وَأَرْقُدُ، وَأَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ، فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي[2] (میں تم سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہوں، زیادہ پرہیز گار ہوں لیکن روزے رکھتا ہوں اور ناغہ بھی کرتا ہوں، رات کو عبادت بھی کرتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور عورتوں سے شادی بھی کرتا ہوں پس جو میری سنت سے منہ پھیرے گا تو وہ مجھ سے نہیں)۔

لہٰذا اسلام میں اعتدال پر رہنا مطلوب صفت ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ نے بعض صحابہ کرامؓ کو عبادت میں بہت زیادہ افراط کا مظاہرہ کرتے ہوئے دیکھا جس سے ان کی جسمانی حالت کمزور ہو گئی تھی اور خاندان اور اپنے گھر والوں سے ان کا تعلق کمزور ہو چکا تھا تو فرمایا:

---

1 صحیح بخاری، كتاب العلم، باب ما كان النبي يتخولهم بالموعظة والعلم كي لا ينفروا، حدیث ٦٩

2 صحیح بخاری، كتاب النكاح، باب الترغيب في النكاح، حدیث ٥٠٦٣

Marfat.com

تمہارے بدن کا تم پر حق ہے اور بیوی کا تم پر حق ہے اور تمہارے مہمانوں کا بھی تم پر حق ہے پس ہر حق دار کو اس کا حق دو۔[1]

اسی طرح رسول اکرم ﷺ کو جب معلوم ہوا کہ معاذ بن جبلؓ لوگوں کو لمبی نماز پڑھاتے ہیں تو فرمایا: يَا مُعَاذُ أَفَتَّانٌ أَنْتَ[2] (اے معاذ تو لوگوں کو آزمائش میں ڈالتے ہو) اور فرمایا: إِنَّ مِنْكُمْ مُنَفِّرِينَ[3] (تم میں سے کچھ، (اپنے عمل سے) لوگوں کو دین سے دور بھگانے والے ہیں) اور پھر فرمایا: سَدِّدُوا وَقَارِبُوا، وَاغْدُوا وَرُوحُوا، وَشَيْءٌ مِنَ الدُّلْجَةِ، وَالْقَصْدَ الْقَصْدَ تَبْلُغُوا[4] (سیدھی راہ چلو اور سیدھی راہ سے قریب رہو، شام کے اوقات اور کچھ رات کی تاریکی سے مدد لو اور درمیانی راہ چلو تو منزل مقصود تک پہنچ جاؤ گے)۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عَلَيْكُمْ مِنَ الْعَمَلِ مَا تُطِيقُونَ، فَإِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ لَا يَمَلُّ حَتَّى تَمَلُّوا[5] (اتنا عمل کرو جو تمہارے بس میں ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ (اجر دینے میں) نہیں تھکتے جب تک تم (عمل سے) خود نہ تھک جاؤ)۔

اللہ کے نزدیک پسندیدہ عمل وہ ہے جسے کرنے والا ہمیشہ کرے اگرچہ وہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا: أَحَبُّ الْعَمَلِ إِلَى اللهِ مَا دَاوَمَ عَلَيْهِ صَاحِبُهُ، وَإِنْ

---

1 صحیح بخاری، كتاب الأدب، باب حق الضيف، حدیث ۶۱۳۴

2 صحیح مسلم، كتاب الصلاة، باب القراءة في العشاء، حدیث ۴۶۵

3 صحیح بخاری، كتاب الأذان، باب تخفيف الإمام في القيام، وإتمام الركوع والسجود، حدیث ۷۰۲

4 صحیح بخاری، كتاب الرقاق، باب القصد والمداومة على العمل، حدیث ۶۴۶۳

5 مسند احمد، مسند الصديقة عائشة بنت الصديق رضي الله عنها، حدیث ۲۴۹۱۲

Marfat.com

قَلَّ [1] (اللہ کے نزدیک پسندیدہ ترین عمل وہ ہے جس پر صاحب عمل ہیشگی اختیار کرے اگرچہ وہ تھوڑا ہی ہو)۔

اس سے دین، تربیت اور اخلاق کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ جب کوئی شخص غلو اور افراط و تفریط کے مرض میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اس بیماری سے نجات کا راستہ ہی یہ ہے کہ تکبر و غرور سے بچتے ہوئے اعتدال اور میانہ روی کا راستہ اختیار کیا جائے۔ میانہ روی اسلام میں بنیادی حیثیت رکھتی ہے، البتہ کسی شرعی حکم میں کسی پہلو پر زیادہ زور دیا گیا ہو یا اسے کم اہمیت دی گئی ہو تو یہ استثنائی حالت ہو سکتی ہے جو حالات اور ضرورت کا تقاضا ہوتی ہے اور اس کے اسباب ہوتے ہیں اور جوں ہی یہ اسباب ختم ہوتے ہیں یہ استثنائی حالت بھی اس کے ساتھ ہی ختم ہو جاتی ہے۔

اعتدال یا میانہ روی سے دوری مسلمانوں کو اختلاف اور تفرقہ بازی کی طرف لے جاتی ہے اور ان کی وحدت کو پارہ پارہ کر کے ان کے رعب و دبدبہ کو ختم کر دیتی ہے۔ جب بھی تفرقہ بازی کی وبا نے اسلام میں جنم لیا تو اس کا سبب دین کے فہم میں غلو اور افراط و تفریط تھا۔ مسلمان تو وہ ہے جو حق کا متلاشی ہو، ہر قسم کی نفسانی خواہشات اور بے جا رائے زنی سے دور رہے اور حق کی طرف رجوع کرے۔ حق و انصاف اور میانہ روی ہمارا راستہ ہے، ہم دائیں بائیں کے قائل نہیں بلکہ اعتدال کے پیروکار ہیں۔

کسی نے سچ کہا: هلک من ادّعی وردی من اقتحم، الیمین والشمال مضلّة، والوسطی الجادّة (یعنی ہلاک ہوا جس نے دعویٰ کیا، برباد ہوا جس نے آگے بڑھ کر اپنے آپ کو آزمائش میں ڈال دیا، دائیں بائیں گمراہی ہے اور درمیان ہی میں صحیح اور سیدھا راستہ ہے)۔

---

1 صحیح مسلم، كتاب الصيام، باب صيام النبي صلى الله عليه وسلم في غير رمضان، حديث ٧٨٢

Marfat.com

ایک شاعر نے کہا:

حب التناهی غلط　　　خیر الامور الوسط

(انتہا پسندی غلط ہے اور بہترین طریقہ میانہ روی ہے۔)

ایک اور شاعر نے کہا:

علیکم بأوسط الأمور فانها　　　نجاة ولا ترکب ذلولاً ولا صعباً

(تمہیں چاہیے کہ درمیانہ راستہ اختیار کرو کیونکہ اس میں نجات ہے اور کمزور یا مست جانور پر سواری نہ کرو۔)

د۔ حسن خلق

اخلاق حسنہ دین کی بنیاد ہے اور پرہیز گار لوگوں کی محنت وریاضت کا ثمر ہے۔ عمدہ اخلاق کی بدولت رفعتوں کے اوج کمال تک پہنچا جا سکتا ہے۔ قیامت کے دن مومن کے ترازو میں حسن اخلاق سے زیادہ بھاری کوئی عمل نہ ہو گا۔ نبی ﷺ کا ارشاد ہے جسے امام ترمذیؒ نے نقل کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: مَا مِنْ شَيْءٍ أَثْقَلُ فِي الْمِيزَانِ مِنْ حُسْنِ الخلق (قیامت کے دن مومن کے ترازو میں حسن اخلاق سے زیادہ بھاری کوئی عمل نہ ہو گا)۔ اسی لیے نبی ﷺ نے اخلاق حسنہ کی تاکید فرمائی۔ ایک صحابیؓ نے آپ ﷺ سے نصیحت کی درخواست کی تو آپ ﷺ نے فرمایا: لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آو۔ اسلام نے اخلاق حسنہ کو کمال ایمان قرار دیا ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے جسے امام ترمذیؒ نے روایت کیا ہے کہ رسالت مآب ﷺ نے فرمایا: أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِينَ إِيمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا (مومنوں میں کامل ایمان والا وہ ہے جو ان میں سے اچھے اخلاق والا ہے)۔

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ کی دعاؤں میں ایک دعا یہ بھی ہے جسے امام احمدؒ نے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: اللَّهُمَّ أَحسَنتَ خَلقِي فَحَسِّن خُلُقِي (اے اللہ جیسا تو نے مجھے بناوٹ کے لحاظ سے خوب صورت بنایا ہے ایسے ہی میرے اخلاق کو بھی خوب صورت بنادے)۔

مسلمان کو چاہیے کہ وہ اچھے اور نیک لوگوں کی پیروی کریں اور وہ تمام امور جو بلندی اور فضیلت، حق وانصاف اور امانت، عفوودرگزر اور میانہ روی سے متعلق ہوں ان میں علما اور اہل فضل کے نقش قدم پر چلے۔ تمام مسلمانوں کے لیے اولین نمونہ تو نبی اکرم ﷺ کی ذات ہے جو مکمل اخلاق اور بہترین سیرت کے حامل ہیں۔ جن کی تعریف قرآن پاک نے یوں کی ہے: ﴿وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ﴾ [القلم ۶۸: ۴] (بے شک آپ بلند ترین اخلاق پر فائز ہیں)۔

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللهَ كَثِيرًا﴾ [الاحزاب ۳۳: ۲۱] (بے شک تمہارے لیے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے ہر اس شخص کے لیے جو اللہ اور یوم آخرت پر امید رکھتا ہے اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرتا ہے)۔

اس آیت سے جو بلیغ نکتہ سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی میں مطلقاً بہترین نمونہ رکھا ہے جسے نہ ان کی کسی خاص صفت سے محدود کیا ہے اور نہ کسی خاص اخلاق سے اور نہ کسی خاص عمل سے۔

آپ ﷺ کا اخلاق دوسروں کو معاف کر دینا، انہیں آسانی فراہم کرنا، ان سے مشقت دور کرنا اور تمام امور میں میانہ روی اختیار کرنا ہے جیسا کہ آپ ﷺ نے خود اپنے بارے میں بیان فرمایا ہے جسے امام مسلمؒ نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے

Marfat.com

فرمایا: إِنَّ اللهَ لَمْ يَبْعَثْنِي مُعَنِّتًا، وَلَا مُتَعَنِّتًا، وَلَكِنْ بَعَثَنِي مُعَلِّمًا مُيَسِّرًا (اللہ تعالیٰ نے مجھے سختی اور ہٹ دھرمی کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا بلکہ استاد بنا کر اور آسانی دینے والا بنا کر بھیجا)۔

اخلاق حسنہ گو کہ بہت سی اچھی خصلتوں اور نیک صفات سے عبارت ہے۔ تاہم ان میں سے چند اچھی اور نمایاں خصلتیں یہ ہیں:

۱۔ تواضع اور انکساری

اس کا مفہوم ہے نرم گوشہ رکھنا اور عاجزی اختیار کرنا۔ حدیث شریف میں آیا ہے: وَمَا تَوَاضَعَ أَحَدٌ لِلَّهِ إِلَّا رَفَعَهُ اللهُ[1] (جس کسی نے بھی اللہ کی خاطر عاجزی اختیار کی تو اللہ تعالیٰ نے اسے عزت عطا فرمائی)۔ عاجزی صحیح علم کے حصول سے آتی ہے۔ جب بھی آدمی علم میں ترقی کرے گا اس کی عاجزی میں اضافہ ہوگا۔ تکبر اور غرور جہالت کا نام ہے۔ متکبر شخص علم حاصل نہیں کر سکتا اور نہ کسی عالم سے استفادہ کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ﴾ [الشعراء۲۶: ۲۱۵] (اور اس کے لیے اپنا دست (شفقت) پھیلاؤ جس نے مومنوں میں سے تمہاری پیروی کی)۔

۲۔ صداقت

صداقت کا معنی ہے قول و فعل کے ذریعے کسی چیز کے بارے میں اس طرح خبر دینا جیسی کہ وہ ہو۔ جس طرح رسول اللہ ﷺ کی صحیح حدیث میں ہے جسے امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: إِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِي إِلَى الْبِرِّ، وَإِنَّ الْبِرَّ يَهْدِي إِلَى

---

1 صحیح مسلم، كتاب البر والصلة والآداب، باب استحباب العفو والتواضع، حديث ۲۵۸۸

Marfat.com

الْجَنَّةِ (سچائی نیکی کی راہ دکھاتی ہے اور نیکی جنت کی طرف لے جاتی ہے)۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ﴾[التوبۃ۹: ۱۱۹] (اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچے لوگوں کے ساتھ ہو جاؤ)۔

اور سچے لوگ وہ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے ایمان سے بھر دیا ہے۔ ایمان اور جھوٹ دونوں کسی مومن کے دل میں یک جا نہیں ہو سکتے۔ امام بیہقیؒ نے اپنی کتاب شعب الایمان میں حضرت ابن عمرؓ سے یہ حدیث نقل کی ہے: يُطْبَعُ الْمُؤْمِنُ عَلَى كُلِّ خُلُقٍ لَيْسَ الْخِيَانَةَ وَالْكَذِبَ (مومن کسی بھی برے اخلاق کا مرتکب ہو سکتا ہے لیکن خیانت اور جھوٹ کا ارتکاب نہیں کر سکتا)۔ جھوٹ بیماری ہے اور اس کا علاج سچائی ہے۔ مالک بن دینارؒ کہتے ہیں: سچ اور جھوٹ ایک انسان کے اندر جھگڑتے رہتے ہیں یہاں تک کہ کوئی ایک دوسرے کو نکال دیتا ہے۔

۳۔ حیا

(نفس کا برائیوں سے نفرت کرنا اور انہیں ترک کرنا حیا کہلاتا ہے۔ حیا بہترین صفت ہے جو ہمیشہ برائیوں کو ترک کرنے پر آمادہ کرتی ہے اور حق داروں کے حق میں کوتاہی کرنے سے روکتی ہے) نبی کریم ﷺ نے اس کی تاکید فرمائی ہے۔ جیسا کہ صحیح روایت سے ثابت ہے جسے حضرت عمران بن حصینؓ نے نقل کیا ہے: الْحَيَاءُ لَا يَأْتِي إِلَّا بِخَيْرٍ[1] (حیا صرف بھلائی لاتا ہے)۔ صحیح مسلم کی روایت میں ہے: الْحَيَاءُ خَيْرٌ كُلُّهُ (حیا سارے کا سارا ہی خیر ہے)۔ یہ الفاظ بھی نقل کیے گئے ہیں: الْحَيَاءُ كُلُّهُ خَيْرٌ۔

1 صحیح بخاری، کتاب الأدب، باب الحیاء، حدیث ۶۱۱۷

Marfat.com

(حیا ایمان کی شاخوں میں سے ایک شاخ ہے جیسا کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ذکر ہے۔ سچا پرہیزگار مسلمان باشعور، مہذب، ملنسار، نرم خو اور احساس رکھنے والا انسان ہوتا ہے۔ اس سے ایسا کام صادر نہیں ہوتا جس سے لوگوں کو تکلیف ہو اور کسی حق دار کی حق تلفی ہو۔)

۴۔ نرم روی

کسی چیز یا عمل میں نرم روی اس کے حسن کو دوبالا کر دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں فرمایا ہے: ﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِنَ اللهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ﴾ [آل عمران ۳: ۱۵۹] (پس اللہ کی رحمت ہی سے ہے کہ آپ ان کے لیے نرم دل ہیں اگر تند خو سخت دل ہوتے تو وہ آپ کے ہاں سے منتشر ہو جاتے)۔ حضرت عائشہؓ سے صحیح روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: إِنَّ اللهَ رَفِيقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ فِي الأَمْرِ كُلِّهِ[1] (اللہ خود نرمی کرنے والا ہے اور تمام امور میں نرمی کو پسند کرتا ہے)۔ انسان کو چاہیے کہ سختی کو نرمی سے اور تُند خوئی کو نرم مزاجی سے بدل دے۔ یہی اخلاق اور عقل سلیم کا تقاضا ہے۔

حضرت سفیانؒ نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا: تمہیں معلوم ہے کہ نرم روی کیا چیز ہے؟ انہوں نے کہا نہیں ابو محمد آپ بتائیں! تو فرمایا: یہ کہ ہر چیز کو اس کے اپنے اپنے مقام پر رکھا جائے۔ سختی کے موقع پر سختی کی جائے، نرمی کے موقع پر نرمی، تلوار استعمال کرنے کا موقع ہو تو تلوار اور جہاں کوڑے کی ضرورت ہو وہاں کوڑا استعمال کیا جائے۔

1 صحیح بخاری، کتاب استتابة المرتدين ـــــ، باب إذا عرض الذمي وغيره ـــ، حدیث ۶۹۲۷

Marfat.com

نرمی حسن اخلاق کا نتیجہ ہے اور سختی غصے اور ناراضگی کا۔ راست گو مسلمان ہمیشہ نرم خُو اور احسان کرنے والا ہوتا ہے، اپنے اچھے اخلاق کی بدولت نرمی پسند کرتا ہے اور لوگوں سے ستائش پاتا ہے۔ نرم اور آسان رویے سے مشکل راہ بھی آسان ہو جاتی ہے اور لوگوں کو حق، ہدایت اور نیک راستے کی طرف دعوت دینا ممکن ہو جاتا ہے۔

یہاں نرمی کا مطلب اسلام دشمن، گمراہ اور متکبر لوگوں کے سامنے ذلت یا کمزوری دکھانا ہرگز نہیں ہے بلکہ ایسے لوگوں کے ساتھ تو کبھی سخت گیر رویہ اپنانے کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ ان کو راہ راست پر لایا جائے۔ ان کے ہاتھ شر سے روک دیے جائیں تاکہ وہ کسی دوسرے کو نقصان نہ پہنچا سکیں اور ان کا شر دوسروں تک منتقل نہ ہو سکے۔ ایک عربی شاعر کا قول ہے:

فقسا ليزدجروا ومن يک حازما　　فليقس أحيانا على من يرحم

(اس نے سختی کی تاکہ وہ باز آجائیں اور جو عقل مند ہوتا ہے اسے بسا اوقات ان پر سختی بھی کرنا پڑتی ہے جن سے وہ نرمی سے پیش آتا ہے۔)

۵۔ رحمت و مہربانی

رحمت کا معنی نہایت نرمی و مہربانی ہے۔ احسان نرمی کا معاملہ کرنے کا تقاضا کرتا ہے۔ رحمت اللہ کی طرف سے فضل اور انعام ہے اور انسان میں رحمت کی صفت نرم دلی کی عکاسی کرتی ہے۔ یہ وہ صفت ہے جس کی وجہ سے مصیبت کے وقت نرمی کا برتاؤ کیا جاتا ہے۔ اور یہ مصیبت زدہ لوگوں کی تکلیفوں کو دور کرنے میں معاون ثابت ہوتی ہے۔ رحمت کا جذبہ ایک مومن کو اس بات پر آمادہ کرتا ہے کہ وہ معصیت میں مبتلا انسانوں کی حالت پر متفکر ہو اور انہیں راہ راست پر لانے کی کوشش کرے۔

Marfat.com

امام طبریؒ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ سے صحیح سند کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: لن تؤمنوا حتى تراحموا. قالوا يا رسول الله! كلنا رحيم قال: انه ليس برحمة أحدكم صاحبه ولكنها رحمة الناس رحمة العامة (تم ہرگز مومن نہیں ہوسکتے جب تک آپس میں رحم کا معاملہ نہ کرو، صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! ہم سب رحم کرنے والے ہیں، تو فرمایا کہ یہ رحم نہیں ہے جو تم صرف اپنے ساتھی کے ساتھ کرتے ہو بلکہ یہ رحمت تو سب لوگوں کے لیے ہونی چاہیے)۔

ایک اور صحیح حدیث میں ذکر ہے: مَنْ لاَ يَرْحَمُ لاَ يُرْحَمُ[1] (جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا) اور رحمت کے بارے میں حدیث پاک میں آیا ہے: إِنَّ الرَّحْمَةَ لَا تُنْزَعُ إِلَّا من شقيّ[2] (بدنصیب انسان سے جذبہ رحمت چھین لیا جاتا ہے)۔

نبی کریم ﷺ شفقت و رحمت کی ایک زندہ مثال ہیں۔ تمام خوبیاں آپ ﷺ کی ذات میں جمع تھیں اور آپ کی ذات سے اس کا اظہار بھی ہوتا رہا۔ آپ ﷺ نماز کے دوران اگر کسی بچے کے رونے کی آواز سن لیتے تو رحمت جوش مارتی اور بے چین والدہ پر شفقت کرتے ہوئے نماز مختصر کر دیتے۔ ایسا کیوں نہ ہوتا آپ تو پورے عالم کے لیے رحمت بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ﴾ [الانبیاء۲۱: ۱۰۷] (اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے)۔

---

1 صحیح بخاری، کتاب الأدب، باب رحمة الولد وتقبيله ومعانقته، حدیث ۵۹۹۷

2 صحیح ابن حبان، کتاب البر والإحسان، باب الرحمة، حدیث ۴۶۲

Marfat.com

جب اہل زمین میں محبت و رحمت عام ہو جاتی ہے تو اللہ کی رحمت آسمان سے نازل ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے جسے طبرانی نے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے: ارْحَمْ مَنْ فِي الْأَرْضِ يَرْحَمْكَ مَنْ فِي السَّمَاءِ (تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا)۔

۶۔ صبر

کسی ظلم وزیادتی پر بدلہ لینے سے اپنے آپ کو باز رکھنا صبر کہلاتا ہے۔ انسان کو زندگی میں سختی وراحت، غربت ومالداری، صحت وبیماری، امتحان و آزمائش جیسے حالات سے دوچار رہنا پڑتا ہے۔ تاہم جب اس پر برا وقت آجائے جو اس کو ناپسند ہو تو اسے چاہیے کہ اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَلَا تَيْأَسُوا مِنْ رَوْحِ اللهِ إِنَّهُ لَا يَيْأَسُ مِنْ رَوْحِ اللهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ﴾ [يوسف ۱۲: ۸۷] (اور اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو بے شک اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہوتے مگر کافر لوگ)۔ رَوْحِ الله سے مراد فراخی اور اللہ کی وہ رحمت ہے جو انسان کو تکلیف سے نکال دے۔

مومن تو بہت زیادہ صبر سے کام لینے والا ہوتا ہے، جب بھی اسے کسی ناخوشگوار صورت حال کا سامنا ہوتا ہے تو وہ اللہ کی بارگاہ میں عاجزی اور صبر کے ساتھ اس سے نجات کی دعا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی مومن بندوں کو مصیبت کی گھڑی میں نماز اور صبر کے ذریعے مدد حاصل کرنے کی ہدایت کی ہے۔

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ﴾ [البقرۃ ۲: ۱۵۳] (اے ایمان والو! تم صبر اور نماز سے مدد مانگو بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے)۔

بندے کو جب بھی کوئی نعمت ملے تو اسے اس کا شکر ادا کرنا چاہیے اور اگر وہ کسی مصیبت سے دوچار ہو تو اس پر صبر کرنا چاہیے جیسا کہ حدیث پاک میں آیا ہے۔ امام مسلمؒ نے حضرت صہیبؓ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عَجَبًا لِأَمْرِ الْمُؤْمِنِ إِنَّ أَمْرَ الْمُؤْمِنِ كُلَّهُ خَيْرٌ إِنْ أَصَابَتْهُ سَرَّاءُ فَشَكَرَ كَانَ خَيْرًا، وَإِنْ أَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ فَصَبَرَ كَانَ خَيْرًا (مومن بندے کی حالت بھی عجیب ہے اس کے بارے میں جو بھی فیصلہ کیا جاتا اس میں خیر ہی کا پہلو ہوتا ہے۔ اسے کوئی آسائش ملے تو شکر کرتا ہے، یہ اس کے لیے بہتر ہوتا ہے اور اگر اس کو کوئی تکلیف پہنچے تو صبر کرتا ہے تو یہ بھی اس کے لیے بہتر ہے)۔

جہاں تک نماز کا تعلق ہے تو نماز سے مدد طلب کرنا تو رسول اللہ ﷺ کے عمل سے ثابت ہے کہ جب بھی آپ کو کوئی مشکل پیش آتی تو آپ نماز میں مشغول ہو جاتے۔ صبر عظمت کی نشانیوں میں سے ایک ہے، بلندی اور کمال کی علامت ہے اور خواہشات نفس کو کنٹرول کرنے کا ثبوت ہے اور صبر بہادر اور اہل عزیمت لوگوں کا شیوا ہے کیونکہ زندگی کا بھاری بھر کم بوجھ اٹھانا کمزور لوگوں کا کام نہیں۔ اسے تو اہل عزیمت اور صبر کرنے والے لوگ ہی اٹھا سکتے ہیں۔

بنی اسرائیل کی ایک جماعت صبر کی بدولت امامت و سیادت کی مستحق بنی۔ اللہ تعالیٰ ان کا قصہ بیان کر کے فرماتے ہیں: ﴿وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوا وَكَانُوا

Marfat.com

بِآيَاتِنَا يُوقِنُونَ﴾ [السجدہ ۳۲: ۲۴] (اور جب ہم نے ان میں سے ایسے پیشوا بنائے جو ہمارے حکم سے راہنمائی کرتے تھے جب انہوں نے صبر کیا اور وہ ہماری آیتوں پر یقین کرتے تھے)۔

۷۔ اہل علم اور نیک سیرت لوگوں کی توقیر

اہل علم و فضل، علما، صالحین، امرا اور بزرگوں کی عزت و تکریم حسن اخلاق کی دلیل ہے۔ یہ نیک و پرہیز گار لوگوں کی علامت اور پہچان ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿ذٰلِكَ وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ﴾ [الحج ۲۲: ۳۲] (جو شعائر اللہ کی تعظیم کرے گا تو بے شک یہ (اللہ کی نشانیوں کی تعظیم) دلوں کی پرہیز گاری سے ہے)۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿قل قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ﴾ [الزمر ۳۹: ۹] (کہہ دیں کہ کیا برابر ہیں وہ جو علم رکھتے ہیں اور وہ جو علم نہیں رکھتے)۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ سے روایت ہے کہ: أَمَرَنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نُنَزِّلَ النَّاسَ مَنَازِلَهُمْ (ہمیں رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ ہم لوگوں کو ان کے مناسب مقام دیں)۔ امام ابو داؤدؒ نے حضرت ابو درداؓ اور ابو موسیٰ اشعریؓ سے صحیح روایت میں نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: إِنَّ مِنْ إِجْلَالِ اللهِ إِكْرَامَ ذِي الشَّيْبَةِ الْمُسْلِمِ، وَحَامِلِ الْقُرْآنِ غَيْرِ الْغَالِي فِيهِ وَالْجَافِي عَنْهُ، وَإِكْرَامَ ذِي السُّلْطَانِ الْمُقْسِطِ (سفید ریش مسلمان کا احترام کرنا اور ایسے حافظ قرآن کا احترام کرنا جو قرآن کریم میں حد سے تجاوز نہ کرتا ہو اور نہ اس کے حکم سے پہلو تہی کرتا ہو (یعنی قرآن کی تلاوت اور اس پر عمل کرتا ہو) اور عدل و انصاف کرنے والے حکمران کا احترام کرنا اللہ کی عظمت کا نشان ہے)۔

Marfat.com

نیز نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے جسے امام احمدؒ، امام ترمذیؒ اور امام حاکمؒ نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيرَنَا وَيَعْرِفْ شَرَفَ كَبِيرِنَا (وہ ہم میں سے نہیں جو ہمارے چھوٹے بچوں پر رحم و شفقت نہ کرے اور ہمارے بڑوں کا احترام نہ کرے)۔ امام ترمذیؒ نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مَا أَكْرَمَ شَابٌّ شَيْخًا لِسِنِّهِ إِلَّا قَيَّضَ اللهُ لَهُ مَنْ يُكْرِمُهُ عِنْدَ سِنِّهِ (وہ جوان جو بوڑھے کا احترام کرے بڑھاپے کی وجہ سے، تو اللہ اس نوجوان کے لیے اس کے بڑھاپے کے وقت کوئی مقرر کر دے گا جو اس کا احترام کرے)۔

مندرجہ بالا احادیث سے واضح ہوا کہ اسلام میں عالم و جاہل، مالک اور غلام، نیک و فاسق، خاص و عام اور چھوٹے بڑے سب کا احترام ہے یعنی احترام سب کے لیے ہے اور اس میں سب برابر ہیں۔

۸۔ اچھی صفات سے آراستہ ہونا

اچھے اخلاق سے آراستہ ہونے، اعلیٰ آداب اور بہترین صفات اپنانے کا حکم تو اسلام نے دیا ہے اور اس کی ترغیب بھی دی ہے۔ سخاوت و فیاضی، مروت اور خندہ پیشانی، ضرورت مندوں کی مدد اور محتاجوں کی حاجت پوری کرنا وغیرہ یہ ساری راست روی (استقامہ) کی مثالیں اور دین پر عمل پیرا ہونے کی علامات ہیں جن کے فوائد کسی سے پوشیدہ نہیں۔ افراد اور معاشرے تک ان کے اثرات یکساں پہنچتے ہیں اور یہ تکافل، تعاون اور باہمی اتحاد جیسے اسلامی اصولوں کا مظہر بھی ہیں۔ اس بارے میں بے شمار دلائل موجود ہیں۔

Marfat.com

۹۔ لاحاصل چیزوں سے اجتناب کرنا

راست روی کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ مسلمان ایسی چیزوں سے دور رہے جو لاحاصل ہوں اور ان کا کوئی دنیوی یا اخروی فائدہ نہ ہو۔ مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنا وقت لہو ولعب، نفسانی خواہشات کی تسکین میں ضائع نہ کرے، حرام تو درکنار مباح امور میں بھی وقت کا ضیاع درست نہیں ہے، بلکہ اسے چاہیے کہ ایسے کاموں میں وقت لگائے جو حال یا مستقبل میں اس کے لیے نفع بخش ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَالَّذِينَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُونَ﴾ [المؤمنون۲۳: ۳] (وہ لوگ جو بیہودہ باتوں سے منہ پھیرنے والے ہیں)۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَالَّذِينَ لَا يَشْهَدُونَ الزُّورَ وَإِذَا مَرُّوا بِاللَّغْوِ مَرُّوا كِرَامًا﴾ [الفرقان۲۵: ۷۲] (اور جب بیہودہ چیزوں کے پاس سے گزرتے ہیں تو گزرتے ہیں سنجیدگی اور عزت کے انداز سے)۔ اس لیے کہ ایک مسلمان پر جو فرائض عائد ہوتے ہیں وہ اس سے وقت کی قربانی کا تقاضا کرتے ہیں۔

۱۰۔ بدگمانی سے بچنا

بدگمانی ناپسندیدہ امر ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ﴾ [الحجرات۴۹: ۱۲] (اے ایمان والو! بہت گمان کرنے سے بچو بے شک بعض گمان گناہ ہوتے ہیں) اور فرمایا: ﴿وَمَا يَتَّبِعُ أَكْثَرُهُمْ إِلَّا ظَنًّا﴾ [یونس۱۰: ۳۶] (اور ان میں سے اکثر پیروی نہیں کرتے مگر گمان کی)۔ اسی طرح ایک صحیح حدیث میں جسے امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے روایت کیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: إِيَّاكُمْ

Marfat.com

وَالظَّنَّ، فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الحَدِيثِ[1] (اپنے آپ کو بدگمانی سے بچاؤ کیونکہ بدگمانی سب سے جھوٹی بات ہے)۔

یہ بات مسلمان کے اخلاق اور اس کی شان کے منافی ہے کہ وہ بے لگام ہو کر دوسروں پر بدگمانی کرے، ان میں کیڑے نکالے، تہمتیں لگائے اور مشکوک باتیں منسوب کرے، ان کے راز فاش کرے، ان کے ذاتی معاملات میں دخل دے، ان کی عزت و آبرو میں عیب تلاش کرے، ان کو سیاہ چشمے لگا کر دیکھے اور ان کی نیکیوں کو چھپائے اور کمزوریوں کو بڑھا چڑھا کر پیش کرے، مسلمان کا طرز عمل یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائیوں کی کمزوریوں کے لیے کوئی جواز تلاش کرتا ہے اور ان کے عیوب کا کھوج نہیں لگاتا اور نہ ان کی غلطیوں کو بڑھا چڑھا کر پیش کرتا ہے کہ ایک غلطی گناہ اور گناہ کفر قرار پائے۔

ایک بزرگ کا قول ہے کہ میں اپنے مسلمان بھائی کے لیے ستر جواز تلاش کرتا ہوں اور آخر میں یہ کہتا ہوں کہ شاید ان کے علاوہ اس کے پاس کوئی اور عذر ہو گا جو میں نہیں جانتا۔

دوسرے لوگوں کے عیب تلاش کرنا اور اپنے عیبوں کو نظر انداز کر دینا، اپنے آپ کو پاکیزہ ٹھہرانا خود ستائشی ہے جس سے اسلام نے منع فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَلَا تُزَكُّوا أَنْفُسَكُمْ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقَى﴾ [النجم ۵۳: ۳۲] (پس تم اپنے آپ کو پاکیزہ مت سمجھو، وہی اسے خوب جانتا ہے جس نے پرہیز گاری کی)۔

1 صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب لا یخطب علی خطبة أخیه حتی ینکح أو یدع، حدیث ۵۱۴۳

Marfat.com

انسان، جیسا کہ داناؤں نے کہا، اپنے عیبوں کی پہچان میں غفلت کا شکار ہے اور دوسروں کے عیوب کی تلاش میں تیز اور ہوشیار۔ اپنے لیے بہانے اور جواز تلاش کرتا ہے لیکن دوسروں کے لیے نہیں۔

دلوں کے راز اور بھید جاننا اور ان کا محاسبہ کرنا اللہ تعالیٰ کی خصوصیت ہے جو ہر پوشیدہ شے کو جانتا ہے۔ جبکہ انسان صرف اپنے مسلمان بھائی کے ظاہری عمل کو ہی دیکھ سکتا ہے۔ یہی طرزِ عمل اس امت کے سلف صالحین، صحابہ و تابعین کا رہا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں ہر آلودگی سے پاک، صاف، شفاف اسلامی تعلیمات رچ بس گئی تھیں۔

امام بخاریؒ نے عبداللہ بن عتبہؒ سے روایت کیا ہے کہ میں نے حضرت عمرؓ سے سنا وہ فرمارہے تھے: إِنَّ أُنَاسًا كَانُوا يُؤْخَذُونَ بِالْوَحْيِ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَإِنَّ الْوَحْيَ قَدِ انْقَطَعَ، وَإِنَّمَا نَأْخُذُكُمُ الْآنَ بِمَا ظَهَرَ مِنْ أَعْمَالِكُمْ، فَمَنْ أَظْهَرَ لَنَا خَيْرًا أَمِنَّاهُ وَقَرَّبْنَاهُ، وَلَيْسَ إِلَيْنَا مِنْ سَرِيرَتِهِ شَيْءٌ، اللهُ يُحَاسِبُهُ فِي سَرِيرَتِهِ، وَمَنْ أَظْهَرَ لَنَا سُوءًا لَمْ نَأْمَنْهُ وَلَمْ نُصَدِّقْهُ وَإِنْ قَالَ: إِنَّ سَرِيرَتِي حَسَنَةٌ (رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں لوگوں کا وحی کی بنیاد پر محاسبہ ہوتا تھا لیکن اب وحی کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے۔ اب ہم تمہارے ظاہری اعمال کی بنیاد پر محاسبہ کریں گے جس نے ہمارے سامنے خیر اور نیکی کا مظاہرہ کیا ہم اس کے امن و سلامتی کے ضامن ہیں اور ہم اس کو اپنے قریب کرلیں گے اور اس کے باطن سے ہمیں کوئی سروکار نہیں، اللہ تعالیٰ ہی اس کے باطن کا حساب لے گا، اور جس کی ہمارے سامنے کوئی برائی یا شر ظاہر ہو گیا تو ہم نہ اس کے امن و سلامتی کے ضامن ہیں اور نہ ہی اس کے اس دعوے کو تسلیم کریں گے کہ میری نیت اچھی تھی)۔

Marfat.com

مسلمان کو چاہیے کہ وہ اپنے نفس کا خود محاسبہ کرے، اس کے منہ سے جو بھی بات نکلے یا وہ کوئی حکم یا فتویٰ جاری کرے تو اسے چاہیے کہ وہ اپنے ذہن میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان سامنے رکھے: ﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا﴾ [الاسراء۱۷: ۳۶] (اور اس چیز کے پیچھے نہ پڑ جس کا تجھے علم نہیں، بے شک کان اور آنکھ اور دل ان میں سے ہر ایک کے بارے میں پوچھ گچھ کی جائے گی)۔

۱۱۔ حسد سے بچنا

حسد کی تعریف علمانے یہ کی ہے کہ دوسروں کو ملنے والی نعمتوں پر کڑھنا اور ان کے ختم ہونے کی خواہش کرنا۔ یہ دونوں لحاظ سے ناپسندیدہ ہے اور دوسرا پہلے کی نسبت حرمت کے لحاظ سے زیادہ سخت اور قبیح عمل ہے۔ حسد حاسد کے دل کی بیماری کا نام ہے۔ اللہ ہمیں اس سے محفوظ فرمائے! یہ اس وقت تک آرام سے نہیں بیٹھنے دیتا جب تک کہ اس سے وہ نعمت چھن نہ جائے جس سے حسد کیا جائے۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کہتے ہیں: ما رأيت ظالماً اشبه بمظلوم من الحاسد (میں نے حسد کرنے والے سے بڑھ کر ایسا ظالم نہیں دیکھا جو (در حقیقت ظالم کی بجائے) مظلوم ہی ہے)۔

حسد ایسی بُری اور مضر بیماری ہے جس میں آج کل بے شمار لوگ مبتلا ہیں۔ یہ بیماری اخلاق کو برباد اور معاشرے کی وحدت کو پارہ پارہ کر دیتی ہے۔ اس کی وجہ سے لوگ ناکام ہو گئے اور ان کا رُعب و دبدبہ ختم ہو گیا۔ ان کی قوت نیست و نابود ہو گئی، وہ ذلیل و خوار ہو کر رہ گئے۔ چنانچہ دشمن ان کو للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا ہے، یہ وہ پہلا گناہ ہے جس کی وجہ سے اللہ

Marfat.com

تعالیٰ کی نافرمانی کی ابتدا ہوئی اور ابلیس نے حسد کی وجہ سے حضرت آدمؑ کو سجدہ کرنے سے انکار کیا۔ قابیل کو ہابیل کے قتل پر اکسانے والا حسد ہی تھا۔

حسد گویا حقیقت میں اللہ کی طرف سے اپنی مخلوق میں نعمتوں کی تقسیم پر اعتراض کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَى مَا آتَاهُمُ اللهُ مِنْ فَضْلِهِ﴾ [النساء۴: ۵۴] (کیا وہ لوگوں سے اس بات پر حسد کرتے ہیں جو اللہ نے دیا ان کو اپنے فضل میں سے)۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿أَهُمْ يَقْسِمُونَ رَحْمَتَ رَبِّكَ نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُمْ مَعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِيَتَّخِذَ بَعْضُهُمْ بَعْضًا سُخْرِيًّا وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِمَّا يَجْمَعُونَ﴾ [الزخرف۴۳: ۳۲] (کیا وہ تمہارے رب کی رحمت تقسیم کرتے ہیں اور ہم نے ان کے درمیان ان کی روزی دنیا کی زندگی میں تقسیم کی ہے اور ہم نے ان میں سے ایک کے درجے کو دوسرے پر بلند کیا ہے تا کہ ان میں سے ایک دوسرے سے کام لے سکے اور تمہارے رب کی رحمت ان چیزوں سے بہتر ہے جو یہ جمع کرتے ہیں)۔ جب تک دلوں کو حسد اور بغض وعداوت سے پاک نہ کر لیا جائے اور اس کی جگہ دوستی و محبت اور باہمی تعلق نہ آجائے زندگی خوشگوار نہیں ہو سکتی۔

نبی کریم ﷺ نے حسد سے بچنے کی اس حد تک تاکید کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: مومن کے دل میں دو چیزیں اکٹھی نہیں ہو سکتیں؛ جیسے ابن حبانؒ نے صحیح حدیث روایت کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: وَلَا يَجْتَمِعُ فِي جَوْفِ عبد الْإِيمَان والحسد (مومن کے سینے میں ایمان اور حسد اکٹھے نہیں ہو سکتے)، کیونکہ یہ دونوں آپس میں ایک دوسرے کی ضد اور نقیض ہیں جیسے شہد اور ایلوا ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔

Marfat.com

دیلمیؒ نے معاویہ بن حیدہ سے مرفوع روایت نقل کی ہے: الحسد یفسد الایمان کما یفسد الصبر العسل (حسد ایمان کو ایسے ہی بگاڑ تا رہتا ہے جس طرح ایلوا شہد کو)۔ امام ابوداوٗدؒ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: إِيَّاكُمْ وَالْحَسَدَ، فَإِنَّ الْحَسَدَ يَأْكُلُ الْحَسَنَاتِ كَمَا تَأْكُلُ النَّارُ الْحَطَبَ (حسد سے بچو کیونکہ حسد نیکیوں کو ایسے کھا جاتا ہے جیسے کہ آگ لکڑیوں کو)۔

حسد نیکیوں اور عبادات کو ہڑپ کر جاتا ہے۔ گناہوں اور غلطیوں پر اکساتا ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حسد کرنے والے سے پناہ مانگنے کا ایسے ہی حکم دیا ہے جیسے شیطان سے پناہ مانگنے کا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ﴾ [الفلق ۱۱۳: ۵] (اور پناہ مانگتا ہوں حسد کرنے والے کے شر سے جب وہ حسد کرے)۔

رسول اللہ ﷺ نے ہمیں حسد اور حسد کے اسباب اور اثرات سے منع کیا اور فرمایا: لاَ تَبَاغَضُوا، وَلاَ تَحَاسَدُوا، وَلاَ تَدَابَرُوا، وَكُونُوا عِبَادَ اللهِ إِخْوَانًا[1] (آپس میں بغض نہ کرو اور آپس میں حسد نہ کرو اور نہ ایک دوسرے سے منہ پھیرو اور قطع تعلق نہ کرو اور اللہ کے بندو آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ)۔ اگر دل میں حسد کے خیالات آنے لگیں تو ان کا مقابلہ کرنے اور انہیں دل سے نکالنے کی کوشش کی جائے۔ اس سلسلے میں قرآن وسنت میں جو وعیدیں آئی ہیں انہیں ذہن نشین کرنا چاہیے۔ سچے مسلمان کی خصوصیات میں سے ایک یہ ہے

1 صحیح بخاری، کتاب الأدب، باب ما ینهی عن التحاسد والتدابر، حدیث ۶۰۶۵

Marfat.com

کہ اس کا باطن صاف ہو، نفس پاک ہو اور خیر سے محبت ہو۔ ایثار و قربانی کا جذبہ ہو اور خیر کو دوسروں تک پہنچانے کے لیے کوشاں ہو۔

۱۲۔ زبان کی حفاظت

زبان انسانی جسم میں چھوٹا سا عضو ہے جس کے ذریعے سے خیر و شر کا اظہار ہوتا ہے۔ زبان کے ذریعے انسان کی گہرائی، علم، عقیدے، ذہانت، ہوشیاری، ذکاوت اور زندگی کے مختلف تجربوں کا اظہار ہوتا ہے۔ دل کے بعد جس چیز کی راست روی کی سب سے زیادہ اہمیت ہے وہ زبان ہے اس لیے کہ زبان دل کی ترجمان ہے اور وہ انسانی جسم میں دل کے بعد تمام اعضا کو کنٹرول کرتی ہے۔

اس لیے رسول اللہ ﷺ نے جہاں ایمان پر ثابت قدمی اور اعمال کی اصلاح، راست روی اور استقامت کا حکم دیا وہاں اس کے بعد زبان کی حفاظت کی بھی نصیحت فرمائی۔ مسند احمد میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لَا يَسْتَقِيمُ إِيمَانُ عَبْدٍ حَتَّى يَسْتَقِيمَ قَلْبُهُ، وَلَا يَسْتَقِيمُ قَلْبُهُ حَتَّى يَسْتَقِيمَ لِسَانُهُ (کسی بندے کا ایمان اس وقت تک پختہ نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کا دل درست نہ ہو اور دل درست نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی زبان راست باز نہ ہو)۔ امام ترمذیؒ نے ابو سعید خدریؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: إِذَا أَصْبَحَ ابْنُ آدَمَ فَإِنَّ الأَعْضَاءَ كُلَّهَا تُكَفِّرُ اللِّسَانَ فَتَقُولُ: اتَّقِ اللّٰهَ فِينَا فَإِنَّمَا نَحْنُ بِكَ، فَإِنْ اسْتَقَمْتَ اسْتَقَمْنَا وَإِنْ اعْوَجَجْتَ اعْوَجَجْنَا (جب انسان صبح بیدار ہوتا ہے تو اس کے جسم کے تمام اعضا زبان کے سامنے عاجزی اختیار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے بارے میں اللہ سے ڈرو کیونکہ ہم سب تیرے حکم کے تابع

Marfat.com

ہیں، اگر تو سیدھی رہی تو ہم بھی سیدھے رہیں گے اور تمہارے اندر بگاڑ آگیا تو ہم بھی بگڑ جائیں گے)۔

امام غزالیؒ اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ زبان کا بولنا انسان کے تمام اعضا کو متاثر کرتا ہے چاہے اچھے کاموں میں ہو یا برے کاموں میں۔ زبان ہی تمام اعضا میں سرکشی کرنے والی اور فساد پھیلانے والی ہے۔ کفر و ایمان کے درمیان فرق زبان کی گواہی سے ہی واضح ہوتا ہے۔ اسی طرح حق کو باطل سے، صحیح کو غلط سے اور خیر کو شر سے صرف زبان کے ذریعہ ہی الگ کیا جاتا ہے۔ امام بخاریؒ نے حضرت سہل بن سعدؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مَنْ يَضْمَنْ لِي مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ أَضْمَنْ لَهُ الجَنَّةَ (جو ضمانت دے مجھے اس کی جو دو جبڑوں کے درمیان ہے (یعنی زبان کی) اور جو دو ٹانگوں کے درمیان ہے (یعنی شرم گاہ کی) تو میں اس کو جنت کی ضمانت دوں گا)۔

زبان بہت ساری مصیبتوں کا باعث بننے والا عضو ہے۔ زبان سے خطا، جھوٹ، غیبت، چغلی، ریاکاری، منافقت، بے حیائی، بے جا لڑائی جھگڑا، نفس کا دعویٰ، غلط باتوں میں الجھنا، جھگڑوں اور فضول وعبث کاموں میں پڑنا، تحریف، کمی زیادتی، لوگوں کو تکلیف پہنچانا اور ان کے راز فاش کرنا وغیرہ جیسے گناہ صادر ہوتے ہیں۔ امام غزالیؒ کہتے ہیں کہ لوگ زبان کے فتنوں اور مصائب سے بچنے کی پروا نہیں کرتے۔ حضرت معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ میں نے آپ ﷺ سے عرض کیا: يَا رَسُولَ اللهِ، وَإِنَّا لَمُؤَاخَذُونَ بِمَا نَتَكَلَّمُ بِهِ، قَالَ: ثَكِلَتْكَ

Marfat.com

أُمُّكَ مُعَاذُ، وَهَلْ يَكُبُّ النَّاسَ عَلَى مَنَاخِرِهِمْ إِلَّا حَصَائِدُ أَلْسِنَتِهِمْ[1] (اے اللہ کے رسول! جو کچھ ہم بولتے ہیں کیا اس پر بھی ہماری پکڑ ہو گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اے معاذ، تیرا ناس ہو جائے لوگوں کو اوندھے منہ جہنم میں گرانے والی چیز زبان ہی تو ہے)۔

ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی صفا پہاڑی پر تلبیہ پڑھتے ہوئے کہتا جا رہا تھا: اے زبان خیر کی بات کہو فائدے میں رہو گی، شر کی بات سے خاموش رہو، بچ جاؤ گی، اس طرح تمہیں ندامت نہیں اٹھانا پڑے گی۔ کسی نے پوچھا: اے عبدالرحمان! یہ بات آپ خود کہہ رہے ہیں، یا آپ نے یہ بات سنی ہے، اس نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے: أَكْثَرُ خَطَايَا ابنِ آدَمَ فِي لِسَانِهِ (سب سے زیادہ غلطیاں جو انسان سے سرزد ہوتی ہیں وہ زبان کی وجہ سے ہوتی ہیں)۔

رسول اکرم ﷺ سے پوچھا گیا: أَيُّ الْمُسْلِمِينَ أَفْضَلُ؟ قَالَ: مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ[2] (کون سا مسلمان سب سے افضل ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں)۔

زبان کی کچھ بیماریاں زیادہ خطرناک ہیں ان میں سے چند کا ذکر کیا جاتا ہے۔

ا۔ غیبت

غیبت کا معنی ہے کسی مسلمان کی غیر موجودگی میں اس کی ایسی بات کا ذکر کرنا جو اسے ناپسند ہو، خواہ آنکھ کے اشارے سے ہو، تحریری شکل میں، اس کا تعلق اس کے دینی امور سے ہو

---

1 مصنف ابن شیبہ، کتاب الحدیث بالکراریس، في كف اللسان، حدیث ۲۶۴۹۸

2 سنن ترمذی، أبواب صفة القيامة والرقائق والورع، حدیث ۲۵۰۴

Marfat.com

یا دنیاوی معاملات سے، اس کے اخلاق سے ہو یا جسمانی ساخت سے۔ غیبت کا تعلق کسی شخص کے خادم یا مال و اولاد، کپڑے اور حرکات و سکنات سے بھی ہو سکتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے غیبت کی وضاحت اس طرح فرمائی ہے:

أَتَدْرُونَ مَا الغِيبَةُ؟ قَالُوا: اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: ذِكْرُكَ أَخَاكَ بِمَا يَكْرَهُ، قِيلَ: فَإِنْ كَانَ فِي أَخِي مَا أَقُولُ؟ قَالَ: إِنْ كَانَ فِيهِ مَا تَقُولُ فَقَدِ اغْتَبْتَهُ، وَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِيهِ فَقَدْ بَهَتَّهُ[1] (رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ غیبت کیا چیز ہے؟ فرمایا اللہ اور اس کا رسول بہتر جانتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، تیرا اپنے بھائی کا اس طرح سے تذکرہ کرنا جو اسے ناپسند ہو، پوچھا گیا اے اللہ کے نبی! اگر وہ بات میرے بھائی میں موجود ہو جو میں کہتا ہوں تو بھی غیبت ہے؟ آپؐ نے فرمایا: اگر وہ بات موجود ہو جو تو کہتا ہے تو یہ غیبت ہے اور اگر وہ بات اس میں موجود نہ ہو تو تو نے اس پر بہتان باندھا۔)

غیبت کرنے والے کی مذمت اور اس کے گناہ کا اندازہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان سے کیا جاسکتا ہے: ﴿وَلَا يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ وَاتَّقُوا اللهَ إِنَّ اللهَ تَوَّابٌ رَحِيمٌ﴾ [الحجرات ۴۹: ۱۲] (اور نہ کوئی کسی کی غیبت کرے۔ کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرے گا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے؟ اس سے تو تم ضرور نفرت کرو گے۔ (تو غیبت نہ کرو) اور اللہ کا ڈر رکھو، اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے)۔

---

1 مسند ابو یعلیٰ، ۱۱: ۳۷۸

Marfat.com

۲۔ چغل خوری

کسی آدمی کا کسی شخص کی بات دوسرے تک پہنچانا تا کہ ان کے درمیان بگاڑ اور فساد پیدا ہو، چغل خوری ہے، اسے گناہ کبیرہ میں شمار کیا جاتا ہے۔ امام بخاریؒ اپنی صحیح بخاری میں حضرت حذیفہ ابن یمانؓ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سے سنا، آپؐ نے فرمایا: لَا يَدْخُلُ الجَنَّةَ قَتَّاتٌ (چغل خور جنت میں داخل نہ ہوگا)۔ صحیح مسلم کی ایک اور روایت میں لفظ نمام کے ساتھ اس کی وضاحت بھی کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے چغل خوروں کے لیے بڑی سزا مقرر کی ہے کیونکہ چغلی کے اثرات بہت بھیانک ہیں۔ چغل خوروں کو اشرار اور مفسدین کے گروہ میں شامل کیا گیا ہے کیونکہ ان کا مقصد اللہ کے بندوں کے درمیان بگاڑ اور فساد پیدا کرنا ہے۔ چغلی سے دوستی، اخوت اور محبت ختم ہو جاتی ہے۔

امام احمدؒ نے حضرت اسماء بنت یزیدؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِخِيَارِكُمْ؟ قَالُوا: بَلَى قَالَ: فَخِيَارُكُمُ الَّذِينَ إِذَا رُؤُوا، ذُكِرَ اللّٰهُ تَعَالَى، أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِشِرَارِكُمْ؟ قَالُوا: بَلَى قَالَ: فَشِرَارُكُمُ الْمُفْسِدُونَ بَيْنَ الْأَحِبَّةِ، الْمَشَّاءُونَ بِالنَّمِيمَةِ، الْبَاغُونَ الْبُرَآءَ الْعَنَتَ (کیا میں تمہیں بہتر آدمی نہ بتاؤں؟ صحابہؓ نے عرض کیا! کیوں نہیں اے اللہ کے رسول! فرمایا: یہ وہ لوگ ہیں جب انہیں دیکھا جائے اللہ یاد آجائے۔ پھر فرمایا: کیا میں تمہیں برے لوگوں کا نہ بتاؤں؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ کیوں نہیں۔ فرمایا: چغل خور، دوستوں کے درمیان بگاڑ پیدا کرنے والا، بے گناہ اور نیک لوگوں کے عیب تلاش کرنے والا)۔

Marfat.com

یہی وجہ ہے کہ کہا جاتا ہے کہ ایک چغل خور ایک گھنٹے میں اتنا بگاڑ اور فساد پھیلا دیتا ہے جو ایک جادوگر مہینوں میں نہیں پھیلا سکتا۔ چغل خور پر اعتماد نہیں کیا جاتا۔ لہذا ضروری ہے کہ اسے چغل خوری سے منع کیا جائے اور اسے نصیحت کی جائے۔ اس طرح اس کے سامنے چغل خوری کی قباحت بھی واضح کر دی جائے۔

۳۔ فضول باتوں میں پڑنا

فضول باتوں میں پڑنا بھی حرام ہے مثلاً عورتوں کے واقعات ذکر کرنا، شراب و کباب کی محفلوں کے قصے، فاجر اور فاسق لوگوں کے ایسے قصے جن کا ذکر کرنا نامناسب ہو، اس نوع کی بے شمار باتیں ہیں جن کا کوئی فائدہ نہیں ہے، رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے جسے ابن ابی دنیاؒ نے حسن سند کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا: إِنَّ الرَّجُلَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ يُضْحِكُ بِهَا جُلَسَاءَهُ، يَهْوِي بِهَا مِنْ أَبْعَدِ مِنَ الثُّرَيَّا (ایک آدمی کبھی کوئی ایسی بات کرتا ہے کہ اس کے ذریعے مجلس میں بیٹھے لوگوں کو ہنسانا چاہتا ہے لیکن اللہ اس کو اس کی وجہ سے ایسے گڑھے میں ڈالے گا جو ثریا (ستارے) سے بھی مسافت میں دور ہے)۔

۴۔ بے جا بحث و مباحثہ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لَا تُمَارِ أَخَاكَ، وَلَا تُمَازِحْهُ، وَلَا تَعِدْهُ مَوْعِدًا فَتُخْلِفَهُ[1] (اپنے بھائی سے جھگڑا نہ کرو اور نہ اس سے مزاح کرو اور نہ اس سے ایسا وعدہ کرو جس کو تم وفا نہ کر سکو)۔

1 سنن ترمذی، أبواب البر والصلة، باب ما جاء في المراء، حدیث ۱۹۹۵

Marfat.com

بحث و مباحثہ کے حدود کیا ہیں؟ احیاء علوم الدین میں ہے کہ بے جا بحث یہ ہے کہ دوسرے کی ہر بات پر اعتراض کرنا اور اس کی کمزوریاں تلاش کرنا۔ یہ کسی کے کلام پر بے جا تنقید کی شکل میں بھی ہو سکتا ہے اور کسی کی نیت پر حملے کی صورت میں بھی ہو سکتا ہے۔ بلاوجہ بحث و مباحثے سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس طرح کی باتوں سے اپنا دامن بچایا جائے اور اعتراضات سے بچا جائے۔ جو بھی سچی بات سنے اس کی تصدیق کرے۔ اگر وہ بات جھوٹ ہو اور دینی امور سے متعلق نہ ہو تو خاموشی اختیار کرے۔

مجادلہ سے مراد اپنے مدمقابل کو دلیل کی قوت سے خاموش کرنا، عاجز کرنا اور اس کے کلام میں نقص و خامی تلاش کر کے اسے بے وقعت بنا دینا ہے۔ اسی طرح دوسرے کے کلام میں کمزوریاں تلاش کرنا اور اسے کم فہمی پر محمول کرنا بھی اس میں شامل ہے۔ مجادلہ میں اپنی علمی برتری کا اظہار مقصود ہوتا ہے کیونکہ فریق مخالف پر دلائل کے ذریعے حملہ کر کے اس کی تنقیص کی جاتی ہے۔ یہ دونوں نفس کی وہ پوشیدہ خواہشات ہیں جو نفس کو بڑا بنا دیتی ہیں۔

۵۔ گالم گلوچ، فحش گوئی اور کفر کی تہمت لگانا وغیرہ

مسلمان کو چاہیے کہ اپنے ہاتھ اور زبان کو قابو میں رکھے اور دوسروں کی ایذا رسانی سے بچے۔ گالم گلوچ، بداخلاقی اور لعن طعن سے اجتناب کرے۔ صداقت، پاک دامنی اور صاف گوئی کو اپنا شیوہ بنائے۔ ایک صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ، وَقِتَالُهُ كُفْرٌ[1] (مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے لڑنا کفر ہے)۔

---

1 صحیح بخاری، کتاب الإیمان، باب خوف المؤمن من أن یحبط عمله وهو لا یشعر، حدیث ۴۸

Marfat.com

امام احمدؒ اور امام طبرانیؒ نے صحیح سند سے نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: إِنَّ اللهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ فَاحِشٍ مُتَفَحِّشٍ (بے شک اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا ہر بد گو اور بد فعل کو)۔ امام بخاریؒ نے الادب المفرد میں ذکر کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَّانِ وَلَا اللَّعَّانِ وَلَا الفَاحِشِ وَلَا البَذِيءِ (مومن طعنے دینے والا، فحش گو اور بد خو نہیں ہوتا)۔

رسول اللہ ﷺ کی سنت ہمارے لیے بہترین نمونہ اور سب سے عمدہ راہِ عمل ہے۔ آپ ﷺ کی پوری زندگی میں آپ کی زبان اقدس سے کوئی ایسی بات نہیں نکلی جو سننے والے کے کان کو کھٹکے، اس کے جذبات کو مجروح کرے یا عزت نفس کو ٹھیس پہنچائے۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے جسے امام بخاریؒ نے روایت کیا ہے: لَمْ يَكُنْ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاحِشًا، وَلاَ لَعَّانًا، وَلاَ سَبَّابًا (نبی کریم ﷺ نہ فحش گو تھے، نہ گالی گلوچ کرنے والے تھے اور نہ لعن طعن کرنے والے تھے)۔ کبھی ازروئے عتاب (عربوں کے مروجہ اسلوب میں) فرمایا کرتے تھے: تیری پیشانی خاک میں ملے۔

نبی کریم ﷺ نے اپنی زبان مبارک کو مخصوص کافروں پر لعنت بھیجنے سے بھی پاک رکھا۔ وہ کافر جنہوں نے اپنے دلوں کے دروازے آپ ﷺ کی دعوت کے لیے بند کر رکھے تھے تو ان کے لیے بھی آپؐ نے کسی قسم کے نازیبا اور دل خراش الفاظ زبان مبارک سے نکالنے سے اجتناب کیا۔

امام مسلمؒ نے حضرت ابوہریرہؓ سے نقل کیا ہے: قِيلَ: يَا رَسُولَ اللهِ ادْعُ عَلَى الْمُشْرِكِينَ! قَالَ: إِنِّي لَمْ أُبْعَثْ لَعَّانًا، وَإِنَّمَا بُعِثْتُ رَحْمَةً (کہا گیا: اے اللہ کے رسول،

Marfat.com

مشرکین کے لیے بددعا کریں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: مجھے لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا بلکہ میں رحمت بن کر آیا ہوں)۔

ضرورت ہے کہ اسلام کے نام لیوا بھی ایسی تربیت حاصل کریں اور اپنے آپ کو ناچاقیوں اور جھگڑوں سے بچائیں۔ کسی کو ناحق فاسق یا کافر کہنے سے اللہ کی پناہ مانگیں۔ بخدا آج کل لوگوں کو ناحق طریقے سے فاسق اور کافر بنانا ایک مشغلہ بن گیا ہے۔ یہ لوگ کم علمی کی وجہ سے یا جان بوجھ کر ایسا کرتے ہیں۔ یہ گمراہ کن اجنبی افکار سے متاثر ہو کر اور گمراہ کن بدعات کی وجہ سے پاک باز لوگوں کو نشانہ بناتے ہیں خواہ وہ حق پرست علما ہوں یا نیک اور روشن ضمیر حاکم ہوں۔ ایسا کرنے والوں کے لیے ہلاکت ہے، ہلاکت ہے!

رسول کریم ﷺ کا فرمان ہے: مَنْ قَذَفَ مُؤْمِنًا بِكُفْرٍ فَهُوَ كَقَتْلِهِ[1] (جس نے مومن پر کفر کی تہمت لگائی تو گویا اس نے اسے قتل کر دیا)۔ امام بخاریؒ نے حضرت ابو ذرؓ سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لاَ يَرْمِي رَجُلٌ رَجُلًا بِالْفُسُوقِ، وَلاَ يَرْمِيهِ بِالْكُفْرِ، إِلَّا ارْتَدَّتْ عَلَيْهِ، إِنْ لَمْ يَكُنْ صَاحِبُهُ كَذَلِكَ (اگر کوئی آدمی کسی پر فسق کی تہمت لگائے اور اسے کفر کی طرف منسوب کرے حالانکہ وہ ایسا نہ ہو تو یہ فسق اور کفر خود اس کے اوپر لوٹ آتے ہیں)۔ مسلم کے الفاظ یہ ہیں: وَمَنْ دَعَا رَجُلًا بِالْكُفْرِ، أَوْ قَالَ: عَدُوَّ اللهِ وَلَيْسَ كَذَلِكَ إِلَّا حَارَ عَلَيْهِ (اگر کسی نے کسی کو کفر سے منسوب کر کے پکارا، یا اللہ کا دشمن کہا جبکہ وہ ایسا نہ ہو تو یہ (الزام) خود اس پر لوٹ آتا ہے)۔

---

1 صحیح بخاری، كتاب الأدب، باب ما ينهى من السباب واللعن، حدیث ۶۰۴۷

Marfat.com

ان احادیث میں اس شخص کے لیے سخت تنبیہ ہے جس نے دوسرے پر کفر کا الزام لگایا جبکہ وہ اس کی حقیقت اور اس کے باطن سے یقینی طور پر ناواقف ہو۔ اس حرکت کی وجہ سے گویا کہ اس نے اپنے آپ کو اللہ کا مدمقابل بنایا جبکہ اللہ تعالیٰ اس سے بری اور پاک ہے۔ مزید یہ کہ اس قسم کے کام میں سستی شہرت حاصل کرنے اور مسلمان بھائی کو نقصان پہنچانے کا پہلو موجود ہے جو کہ جائز نہیں کیونکہ ایسے حالات میں پردہ پوشی، نصیحت اور اچھے طریقے سے جتنا ہوسکے نرمی کے ساتھ سمجھانے کا حکم ہے۔ تشدد اور سختی کرنا جائز نہیں۔

تکفیر کی دو وجوہات

کسی کو کافر قرار دینے کی دو بڑی وجوہات ہو سکتی ہیں:

الف۔ پہلی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ دلالت نص سے ثابت ہو کہ یہ کام کفر کے زمرے میں آتا ہے اور دین سے خارج کرنے والا ہے کیونکہ کفر کے کئی درجے ہیں۔ جیسا کہ کفر دون کفر کی اصطلاح ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کفر کے کئی درجے ہیں اور لفظ کفر بعض اوقات ایسے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے جو نافرمانی کے معنی میں آتا ہے۔ لفظ کفر ہر جگہ دائرہ اسلام سے خارج کرنے کے معنی میں نہیں آتا۔

ب۔ دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ کفر کا ارتکاب کرنے والے پر کسی نص سے حکم لگا دیا جائے کہ یہ کافر ہے حالانکہ ایسا نہیں کہ جس نے بھی کفر کا ارتکاب کیا ہو اسے کافر قرار دے دیا جائے۔ مثلاً اگر کفر کا ارتکاب آزاد مرضی سے نہیں کیا جاتا بلکہ جبر کے تحت کیا جاتا ہے تو اسے کافر نہیں قرار دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِهِ إِلَّا مَنْ

Marfat.com

أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ﴾ [النحل ١٦: ١٠٦] (جو اللہ کا منکر ہوا ایمان لانے کے بعد، سوائے اس کے جو مجبور کیا گیا ہو جبکہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو)۔

کبھی کوئی شخص غلطی یا لاعلمی سے بھی کفر کا مرتکب ہو جاتا ہے جیسا کہ ایک حدیث میں آیا ہے جسے امام مسلمؒ نے روایت کیا ہے:

اللهُ أَشَدُّ فَرَحًا بِتَوْبَةِ عَبْدِهِ حِينَ يَتُوبُ إِلَيْهِ، مِنْ أَحَدِكُمْ كَانَ عَلَى رَاحِلَتِهِ بِأَرْضِ فَلَاةٍ، فَانْفَلَتَتْ مِنْهُ وَعَلَيْهَا طَعَامُهُ وَشَرَابُهُ، فَأَيِسَ مِنْهَا، فَأَتَى شَجَرَةً، فَاضْطَجَعَ فِي ظِلِّهَا، قَدْ أَيِسَ مِنْ رَاحِلَتِهِ، فَبَيْنَمَا هُوَ كَذَلِكَ إِذَا هُوَ بِهَا، قَائِمَةً عِنْدَهُ، فَأَخَذَ بِخِطَامِهَا، ثُمَّ قَالَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ: اللهُمَّ أَنْتَ عَبْدِي وَأَنَا رَبُّكَ، أَخْطَأَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ. (اللہ تعالیٰ کو اپنے بندے کی توبہ سے اس سے بھی زیادہ خوشی ہوتی ہے جتنی خوشی تم میں سے کسی شخص کو اس وقت ہوتی ہے جب وہ اپنی سواری پر کسی صحرا میں سفر کر رہا ہو، اچانک وہ سواری اس سے بھاگ گئی ہو اور اس سواری پر اس کے کھانے پینے کا سامان بھی ہو۔ وہ سواری سے مایوس ہو کر کسی درخت کے سایے میں آ کر لیٹ جائے، اسی دوران وہ دیکھتا ہے کہ اچانک سواری سامنے موجود ہے، وہ اس کی لگام پکڑ لیتا ہے اور انتہائی خوشی کی حالت میں اس کے منہ سے یہ الفاظ نکل جاتے ہیں: اے میرے رب تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں، شدت خوشی سے غلط کہہ جاتا ہے۔)

اس شخص کا ظاہری قول اگرچہ کفر ہے لیکن اس نے یہ دانستہ نہیں کہا بلکہ غلطی سے اس کے منہ سے نکل گیا۔ اس قسم کی ایک اور مثال حدیث میں بیان کردہ ایک واقعہ بھی ہے جس

Marfat.com

میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک شخص نے اپنے اوپر یہ زیادتی کی کہ اس نے اپنے پسماندگان کو وصیت کی کہ جب میں مر جاؤں تو میری لاش کو جلا کر اس کی راکھ کو مختلف جگہ پھیلا دینا۔ اس نے یہ وصیت اللہ کے عذاب کے ڈر کی وجہ سے کی، کیونکہ وہ سمجھتا تھا کہ اس طرح اللہ تعالیٰ اس کے وجود کے اجزا کو اکٹھا نہیں کر سکے گا۔ یہ بظاہر اللہ تعالیٰ کی قدرت سے انکار ہے اور تمام چیزوں پر اللہ کی قدرت کا انکار کرنے سے انسان کافر ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ شخص لاعلمی کی وجہ سے معذور ہے۔ اس طرح کے واقعات احادیث میں بکثرت ذکر ہوئے ہیں۔

لہٰذا ضروری ہے کہ اس قسم کے گمراہ نظریے کی تردید کی جائے اور اس کی گمراہی اور بے راہ روی کو لوگوں کے سامنے اجاگر کیا جائے، ان کو قرآن پر عمل کرنے کی دعوت دی جائے تاکہ وہ شرعی نصوص کی غلط تاویل کر کے اسے اپنے مذموم مقاصد کے حصول کے لیے استعمال نہ کریں۔ اہل قبلہ کے بارے میں اہل سنت کا جو موقف ہے اس سے ان لوگوں کو دور کا واسطہ بھی نہیں۔

امام طحاویؒ نے اہل سنت کا موقف یوں بیان کیا ہے:

ولا ننزل احدا منهم جنة ولا ناراً ولا نشهد عليهم بكفر ولا بشرك ولا بنفاق ما لم يظهر منهم شيء من ذلك ونذر سرائرهم الى الله تعالىٰ (ہم کسی پر جنتی یا دوزخی ہونے کا حکم نہیں لگا سکتے، نہ کفر، شرک اور نفاق کا حکم لگا سکتے ہیں جب تک کہ کوئی ایسا عمل نہ کرے (جس میں کفر و شرک ہو) اور ان کے دل کی کیفیت کو اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیں۔)

ضروری ہے کہ ہم مسلمانوں کو ان کے گناہوں اور غلطیوں کی وجہ سے کافر کہنے سے اجتناب کریں۔ اس لیے کہ اسلام میں سب سے پہلی بدعت اہل اسلام کو کافر کہنے سے شروع

Marfat.com

ہوئی اور اس بدعت کے مرتکبین نے مسلمانوں کے جان ومال کو حلال قرار دیا۔ نبی کریم ﷺ سے ان کی مذمت اور ان سے لڑنے کے بارے میں بہت ساری احادیث منقول ہیں حالانکہ یہ لوگ اپنے آپ کو قرآن کا پیروکار ظاہر کرتے ہیں۔

امام مسلمؒ نے حضرت ابو سعیدؓ خدری سے نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: يَحْقِرُ أَحَدُكُمْ صَلَاتَهُ مَعَ صَلَاتِهِمْ، وَصِيَامَهُ مَعَ صِيَامِهِمْ، يَقْرَءُونَ الْقُرْآنَ، لَا يُجَاوِزُ تَرَاقِيَهُمْ، يَمْرُقُونَ مِنَ الْإِسْلَامِ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ (تم ان کی نماز کے مقابلے میں اپنی نماز، ان کے روزوں کے مقابلے میں اپنے روزوں اور ان کی تلاوت کے مقابلے میں اپنی تلاوت کو کم تر خیال کرو گے، وہ قرآن پڑھیں گے لیکن وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا اور وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر کمان سے نکل جاتا ہے)۔ ایک اور روایت میں ہے جسے امام بخاریؒ و مسلمؒ نے نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: يَقْتُلُونَ أَهْلَ الْإِسْلَامِ وَيَدَعُونَ أَهْلَ الْأَوْثَانِ (وہ اہل اسلام کے ساتھ تو لڑیں گے لیکن بت پرستوں کو چھوڑ دیں گے)۔

امت کے ساتھ وہی کچھ ہوا جس کا خطرہ نبی اکرم ﷺ نے اپنی امت کے بارے میں محسوس کر لیا تھا۔ جن لوگوں نے صحابہؓ کے دور سے یہ طریقہ اپنایا وہ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا جیسا کہ خوارج نے حضرت علیؓ کے خلاف بغاوف کی تھی۔ خوارج کی یہی فکر ان لوگوں کا عقیدہ بن گیا ہے، یہ اہل حق پر کفر کے فتوے لگاتے ہیں اور مسلمان حکمرانوں کے خلاف بغاوت پر آمادہ کرتے ہیں۔ ان کی تلواروں سے نہ کوئی عابد وزاہد بچا اور نہ ہی کوئی عالم و مجتہد اور مجاہد گروہ محفوظ رہا۔ اس وقت سے لے کر آج تک یہی خیالات و نظریات

Marfat.com

کسی نہ کسی شکل میں سر اٹھاتے ہیں اور ان کے پیروکار مختلف اسلامی ناموں سے سامنے آتے رہتے ہیں۔ اس لیے مسلمان کو ان کے جال میں پھنسنے سے ہوشیار رہنا چاہیے اور ان کے باطل افکار اور تاویلات سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیے۔

۶۔ مذاق اڑانا

یعنی کسی کی تحقیر کرنا، مذاق اڑانا اور اس کی عزت نفس کو ٹھیس پہنچانا۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے بچنے کی تلقین فرمائی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِنْ قَوْمٍ عَسَى أَنْ يَكُونُوا خَيْرًا مِنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِنْ نِسَاءٍ عَسَى أَنْ يَكُنَّ خَيْرًا مِنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوا أَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ وَمَنْ لَمْ يَتُبْ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ﴾ [الحجرات ۴۹: ۱۱] (اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! مرد دوسرے مردوں کا مذاق نہ اڑائیں ممکن ہے کہ یہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتوں کا مذاق اڑائیں ممکن ہے کہ یہ ان سے بہتر ہوں اور آپس مین ایک دوسرے کو عیب نہ لگاؤ اور نہ کسی کو بُرے لقب دو، ایمان کے بعد فسق برا نام ہے اور جو توبہ نہ کریں وہی ظالم لوگ ہیں)۔

یہ زبان کے بڑے بڑے نقصانات ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں زبان کے شر اور ہر مصیبت اور تکلیف سے بچائے۔ مسلمان کو چاہیے کہ اپنی زبان کو ان تمام آفات سے بچائے اور جب بھی بولے تو خیر کی بات کہے جس میں کسی کے لیے ضرر اور نقصان نہ ہو۔ کسی شخص کے اچھا مسلمان ہونے کی نشانی یہ ہے کہ وہ فضول کاموں سے بچے۔

Marfat.com

۵۔نیک صحبت

استقامت کے ارکان میں سے پانچواں رکن نیک صحبت ہے۔ انسان کی فطرت میں تمدن ہے۔ وہ میل ملاپ، اٹھک بیٹھک، الفت و محبت اور لین دین کا محتاج ہے اور فطری طور پر ان چیزوں کو حاصل کرنے کی کوشش بھی کرتا ہے۔ اسی طرح وہ کسی سے متاثر ہوتا ہے اور کسی پر اثر انداز ہوتا ہے خواہ وہ منفی ہو یا مثبت، اور اپنے ماحول کے مادی و معنوی اثر کو قبول بھی کرتا ہے۔

جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: الناس معادن (لوگ کان کی مانند ہیں)، اسی طرح لوگوں کا طرز عمل بھی مختلف ہے، اخلاق میں بھی فرق ہے، یکسانیت بہت کم ہے۔ علاقے، معاشرے، ماحول اور رویے الگ الگ ہیں۔ صلاحیتیں، طاقتیں، میلان اور رغبتیں مختلف ہیں۔ اس اختلاف کے نتیجے میں ہمیں لوگوں میں نیک و بد، دین دار و فاسق، امانت دار اور خیانت کرنے والے، وعدوں کے پابند اور وعدہ خلاف اور دھوکہ باز سب ملیں گے۔ ہمیشہ سے خیر و شر موجود ہیں اور ہر ایک دوسرے سے متاثر بھی ہوا ہے اور اثر انداز بھی ہوتا رہا ہے۔ اسی بنا پر نیک صحبت اختیار کرنا استقامت کے عوامل اور بنیادوں میں سے ہے۔ بُری صحبت سے بچنا ضروری ہے اگرچہ ایسا شخص بظاہر نیک اور راست رَو نظر آتا ہو کیونکہ صرف ظاہر کافی نہیں اور اس کی صحبت کے خطرناک اثرات عمل، رویے اور فکر پر مرتب ہوسکتے ہیں۔ نیز یہ ایک مسلمان کے سیدھے راستے سے ہٹ جانے اور گمراہی کا شکار ہونے کا بنیادی سبب ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ ایسا شخص واقف کار، دوست یا ہر وقت ساتھ رہنے والا ساتھی ہی ہو۔ وہ استاد اور مربی کی شکل میں بھی ہوسکتا ہے۔ برا ساتھی کتاب، اخبار اور رسالے یا دیگر برقی و طباعتی ذرائع ابلاغ (الیکٹرانک و پرنٹ میڈیا) کی شکل میں بھی ہوسکتا ہے۔

Marfat.com

ابو داوٗدؒ اور ترمذیؒ نے حضرت عائشہؓ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: الرَّجُلُ عَلَى دِينِ خَلِيلِهِ، فَلْيَنْظُرْ أَحَدُكُمْ مَنْ يُخَالِلُ [1] (آدمی اپنے جگری دوست کے دین (طریقہ) پر چلتا ہے پس تم سے ہر شخص دیکھے کہ وہ کس کو جگری دوست بنا رہا ہے)۔

ابن عساکرؒ نے اپنی تاریخ میں حضرت انسؓ کا قول نقل کیا ہے: ایاک وقرین السوء فانک به تعرف (بُرے دوست یا ساتھی سے بچو کیونکہ تو اس کے ذریعے پہچانے جاؤ گے)۔ مقصد یہ ہے کہ بُرے دوستوں کی صحبت سے بچا جائے۔ مشکوک کردار والے لوگوں سے دور رہا جائے۔ دین اور عزت کو محفوظ رکھنے کا یہی ذریعہ ہے تاکہ کسی کو دوسرے کی وجہ سے ملامت نہ کی جائے۔

ایک شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

عن المرء لا تسأل وسل عن قرينه　　فكل قرين بالمقارن يقتدی

(کسی آدمی کے بارے میں نہ پوچھو بلکہ اس کے دوستوں کے متعلق پوچھو، کیونکہ ہر شخص اپنے دوستوں کے راستے پر چلتا ہے۔)

ایک اور شاعر نے کہا:

فلا تصحب أخا السوء　　وایاک و اياه

فكم من جاهل أردى　　حكيماً حين آخاه

يقاس المرء بالمرء　　اذا ما المرء ماشاه

1 سنن ابوداوٗد، کتاب الأدب، باب من يؤمر أن يجالس، حدیث ۴۸۳۳

Marfat.com

(برے شخص کی صحبت اختیار نہ کرو اس سے دور رہو۔ کتنے ہی جاہلوں نے داناؤں اور ہوشیار لوگوں کو ہلاک کر دیا جب انہوں نے سے دوستی لگائی۔ آدمی کو اس آدمی پر قیاس کیا جاتا ہے جس کی وہ ہم نشینی اختیار کرتا ہے۔)

نبی کریم ﷺ نے درج ذیل حدیث میں نیک اور بری صحبت کی بہترین تصور کشی فرمائی ہے:

مَثَلُ الجَلِيسِ الصَّالِحِ وَالجَلِيسِ السَّوْءِ، كَمَثَلِ صَاحِبِ المِسْكِ وَكِيرِ الحَدَّادِ، لاَ يَعْدَمُكَ مِنْ صَاحِبِ المِسْكِ إِمَّا تَشْتَرِيهِ، أَوْ تَجِدُ رِيحَهُ، وَكِيرُ الحَدَّادِ يُحْرِقُ بَدَنَكَ، أَوْ ثَوْبَكَ، أَوْ تَجِدُ مِنْهُ رِيحًا خَبِيثَةً[1] (نیک اور برے ساتھی کی مثال ایسے ہے جیسے ایک عطار اور دوسرا لوہار ہو۔ عطار آپ کو خوشبو دے گا یا اس سے آپ کچھ خرید لیں گے ورنہ اس کی خوشبو تو حاصل ہو جائے گی جبکہ لوہار کے ساتھ بیٹھنے سے آپ کے کپڑے جلیں گے ورنہ اس کی بدبو سے تو ضرور حصہ ملے گا۔)

اس حدیث میں اچھی صحبت کی ترغیب اور بری صحبت سے دور رہنے کی تاکید ہے۔ ابوداؤدؒ اور ترمذیؒ نے ابوسعید خدریؓ سے نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: لَا تُصَاحِبْ إِلَّا مُؤْمِنًا، وَلَا يَأْكُلْ طَعَامَكَ إِلَّا تَقِيٌّ[2] (مومن کے علاوہ کسی سے تعلق اور دوستی نہ بناؤ اور تیرا کھانا پرہیز گار آدمی ہی کھائے)

مسلمان کو ہوشیار رہنا چاہیے کہ وہ اپنے ہم نشیں سے کہیں متاثر ہی نہ ہو جائے گو کہ وہ صحبت تھوڑی دیر کے لیے ہی ہو، کیونکہ شیاطین انس ہر وقت اور ہر آن تیار بیٹھے ہیں کہ وہ متاثر

---

1 صحیح بخاری، کتاب البیوع، باب في العطار وبيع المسك، حدیث ۲۱۰۱

2 سنن ترمذی، کتاب الأدب، باب من يؤمر أن يجالس، حدیث ۴۸۳۲

Marfat.com

بھی کریں اور گمراہ بھی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيَاطِينَ الْإِنسِ وَالْجِنِّ يُوحِي بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُورًا﴾ [الانعام۶: ۱۱۲] (وراسی طرح ہم نے شیطان (سیرت) انسانوں اور جنوں کو ہر پیغمبر کا دشمن بنادیا تھا وہ دھوکا دینے کے لیے ایک دوسرے کے دل میں ملمع کی باتیں ڈالتے رہتے تھے)۔

دوست اور ہم نشین کا چناؤ بڑی اہمیت کا حامل ہوتا ہے اس طرف اکثر نوجوان توجہ نہیں دیتے اور اس کے اثرات کو بعد میں تب محسوس کرتے ہیں جب انسان اپنے اور اپنے دوستوں اور ان لوگوں کے رویوں کی جانچ پڑتال کرتا ہے جن سے وہ متاثر ہوتا ہے، چاہے وہ نیک ہوں یا بد۔

کسی انسان کی شخصیت پر مثبت طور پر اثر انداز ہونے والی چیزوں میں سے ایک وہ صحیح علم ہے جو خیر کی طرف بلائے اور اچھے معاشرے کی تعمیر کے لیے اچھا مسلمان بنائے۔ مسلمان کو چاہیے کہ وہ دوسرے مسلمانوں کے تجربات اور نیک و صالح علما کی نصیحتوں سے استفادہ کرے، گمراہ، بدعتی، باطل افکار، نفسانی خواہشات کے پیروکاروں، پراگندہ فکر اور گمراہ کن رائے رکھنے والے افراد سے دور رہے۔ حضرت وہب بن منبہؒ کہتے ہیں: میں تمھیں تین چیزیں ہمیشہ یاد رکھنے کی نصیحت کرتا ہوں: خواہشات نفس کی پیروی، بری صحبت اور خود پسندی سے بچو۔

Marfat.com

راست روی (استقامة) کے حصول کے لیے مخصوص وسائل واسباب

اگر ہم چاہیں کہ راست روی (استقامة) کے مذکورہ تقاضوں سے عہدہ بر آہوں اور معاشرہ کو ہر لحاظ سے صالح بنائیں، بالخصوص نوجوانوں کو انحراف، بے راہ روی، گمراہی اور راہِ راست سے بھٹکنے سے بچائیں تو یہ تب ممکن ہو گا جب ہم آپس میں تعاون کریں اور مختلف امور میں ایک دوسرے کا ہاتھ بٹائیں اور ہر قسم کے اسباب اور وسائل مہیا کریں۔ اگر ان تقاضوں کو پورا نہ کیا جا سکے تو استقامت کا توازن بگڑ جائے گا، اس کی عمارت ڈھے جائے گی جس کے نتائج ناپسندیدہ ہوں گے۔ اللہ ہمیں سلامتی اور عافیت عطا فرمائے۔

راست روی کے حصول کے ذرائع درج ذیل ہیں:

۱۔ گھر ۲۔ سکول، مدرسہ ۳۔ علما، داعی اور فکر و ثقافت کے نگہبان ادارے

۴۔ مسجد ۵۔ معاشرہ ۶۔ میڈیا ۷۔ ذکر و دعا

ان کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ گھر

مسلمان کا گھر ایک مضبوط قلعہ شمار کیا جاتا ہے جو ایک صالح، سود مند اور مضبوط خاندان کی بنیاد اور اولین تربیت گاہ ہے جس سے نیک، صالح، ہدایت یافتہ اور مفید لوگ تیار ہوتے ہیں۔ خاندان وہ پہلی جگہ ہے جو دنیا میں آنے والے فرد کا استقبال کرتی ہے۔ یہ ایک مخصوص گود ہے جس کی تربیت سے شخصیت کی تشکیل کافی حد تک عمل میں آجاتی ہے اور اسی سے اخلاقی اقدار، علم و دانش، مختلف صلاحیتیں اور رویے جنم لیتے ہیں۔ یہ پہلا مدرسہ ہے جس سے فرد دینی، علمی، نظریاتی، اخلاقی اور نفسیاتی طور پر متاثر ہوتا ہے۔

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: كُلُّ مَوْلُودٍ يُولَدُ عَلَى الفِطْرَةِ، فَأَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهِ، أَوْ يُنَصِّرَانِهِ، أَوْ يُمَجِّسَانِهِ[1] (ہر بچہ اللہ کی فطرت (یعنی توحید) پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے والدین اس کو یہودی، نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں)۔ خاندان حقیقت میں ایک بنیاد اور اینٹ کے پتھر کی حیثیت رکھتا ہے اور اسی پر مسلمان کی تربیت کا انحصار ہوتا ہے۔ جیسے خاندان کے حالات ہوں گے، اس کے افراد میں اسی طرح نیکی، فساد، خیر و شر، اتفاق و اختلاف، ثابت قدمی یا بے راہ روی وغیرہ پائی جائے گی۔ یہ صورت حال خاص طور پر اولاد میں ہو گی جو بچپن میں تیزی سے یہ اثرات قبول کرتی ہے اور اپنے ارد گرد کے ماحول کی تقلید بھی کرتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے کیا خوب فرمایا: ﴿وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهُ بِإِذْنِ رَبِّهِ وَالَّذِي خَبُثَ لَا يَخْرُجُ إِلَّا نَكِدًا﴾ [الاعراف۷: ۵۸] (جو زمین پاکیزہ (ہے) اس میں سے سبزہ بھی پروردگار کے حکم سے (نفیس ہی) نکلتا ہے اور جو خراب ہے اس میں جو کچھ ہے ناقص ہوتا ہے)۔

مسلم خاندان جو ماں باپ اور دیگر خیر خواہ اہل خانہ پر مشتمل ہوتا ہے، انہیں چاہیے کہ اپنی اولاد کو راہِ راست پر چلانے کے لیے پوری قوت صرف کریں یا وہ لوگ جو ان کے زیر نگرانی ہوں، ان کی اچھی تربیت کریں جو ان کے لیے حال اور مستقبل دونوں میں سود مند ہو اور ان کو ہر قسم کی خلاف ورزی اور خاص طور پر دین، اچھے اخلاق اور اچھی اقدار کی مخالفت سے باز رکھے۔ ہماری نظر میں مندرجہ ذیل اشیا کو سامنے رکھنے سے یہ مقصد حاصل ہو سکتا ہے:

---

1 صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب ما قیل في أولاد المشركين، حدیث ۱۳۸۵

Marfat.com

۱۔ ماں باپ کا اولاد کے لیے اچھا نمونہ بننا کیوں کہ اچھا اخلاق اور اچھے اوصاف کی زندہ مثال ہوا کرتا ہے۔

۲۔ بچے کی اچھی تعلیم وتربیت کا مناسب بندوبست کرنا اور صحیح عقیدے کے اصول ومبادی اس کے ذہن میں بٹھانا، اسے نیک کام کا خوگر بنانا اور برے وناپسندیدہ افعال سے بچانا۔

۳۔ قرآن کی تعلیم کی ترغیب دینا، ہمیشہ اس کی تلاوت کرنے، حفظ کرنے اور اس پر عمل کرنے پر مائل کرنے کے لیے کوشاں رہنا اور یہ کام محض مشغلہ اور برکت کے طور پر نہ کرنا۔

۴۔ بچوں کی اس طرف راہنمائی کرنا کہ وہ ایسے اچھے دوستوں کا انتخاب کرکے ان کی صحبت اختیار کریں جن میں امانت، راست روی اور دین کی مکمل صفات موجود ہوں۔

۵۔ بچوں کی خداداد صلاحیتوں، خوبیوں اور میلانات کا ادراک کرکے صحیح سمت میں ان کی راہنمائی کرنا۔

۶۔ بچوں کے ساتھ گفت وشنید اور بحث ومباحثہ کے دروازے کھولنا تاکہ ان کی رائے اور فکر معلوم ہوسکے اور ان کی دینی ودنیاوی راہنمائی کرکے ان کی کجی اور بے راہ روی کا تدارک کیا جاسکے۔ نوعمری ہی میں بچوں کی مشکلات کی نشان دہی اور انہیں حل کرنے میں ان کے ساتھ شرکت۔

۷۔ ان کی صائب آرا کا احترام اور ان کی سچی امنگوں کی تکمیل میں تعاون۔

۸۔ گھر میں ہوں یا گھر سے باہر، بچوں کی چال چلن، افعال اور ان کے ساتھیوں کی مسلسل نگرانی کرنا۔

Marfat.com

۹۔ بچے میں اگر کچھ اچھی خصلتیں نظر آئیں تب بھی اس کے بارے میں بہت زیادہ خوش گمانی میں مبتلا نہیں ہونا چاہیے۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ ہر چمکتی چیز سونا نہیں ہوتی اور نہ ہر سیاہ شے کوئلہ ہوتی ہے۔

۱۰۔ بچوں میں اعتماد پیدا کرنا، تاکہ وہ اپنی ایسی ذمہ داری خود اٹھانے کے عادی ہوں جو ان کی عمر، عقل اور فہم کے مطابق ہو۔

۱۱۔ والد یہ خیال کیے بغیر کہ اس کی تربیت صحیح تھی یا غلط، یا اس زمانے کے موافق ہے جس میں وہ رہ رہا ہے اس عمومی غلط فہمی میں نہ رہے جو بعض معاشروں میں پائی جاتی ہے کہ والد اپنے بیٹے کی تربیت اس طریقے سے کرتا ہے جس طرح اس کے اپنے والد نے کی تھی۔

تربیت اللہ اور اس کے رسولؐ کے بتائے ہوئے طریقے پر ہونی چاہیے۔ عقل مند کی کوشش ہمیشہ غلطی سے بچنے اور کمزوریوں سے دور رہنے کی ہوتی ہے۔ بہتر اور کامل بننے کی جدوجہد، اولاد کو حق پر قائم رکھنا، ہدایت کی طرف دعوت دینا، بُرے کاموں سے بچانا اس کی ذمہ داری ہوتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: أَلاَ كُلُّكُم رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، فَالإِمَامُ الَّذِي عَلَى النَّاسِ رَاعٍ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ، وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلَى أَهْلِ بَيْتِهِ، وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِهِ[1] (تم میں سے ہر ایک (کسی نہ کسی کا) ذمہ دار ہے اور ہر ذمہ دار سے اس کے ماتحتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ اور امام اپنی رعیت کا ذمہ دار ہے اور اس سے اس کی

1 صحیح بخاری، كتاب الأحكام، باب قول الله تعالى و أطيعوا الله وأطيعوا الرسول-----، حدیث ۷۱۳۸

رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ آدمی اپنے اہل وعیال کا ذمہ دار ہے اور اس سے ان کے بارے میں پوچھا جائے گا)۔

اس نوجوان نسل کے بارے میں اللہ سے ڈرے جو اس کے ماتحت ہے اور انہیں قرآن کا یہ حکم بار بار یاد کرائے ﴿رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا﴾ [الفرقان ۲۵: ۷۴] (اے ہمارے رب ہمیں اپنی بیویوں اور اپنی اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا کر اور ہمیں پرہیز گاروں کا پیشوا بنا)۔

۱۲۔ اپنے فارغ وقت کو دنیا و آخرت کے سود مند کام میں صرف کرنا، مثلاً پڑھنے اور مطالعے کی عادت بنالینا اور بعض معاشرتی اور دیگر سماجی سرگرمیوں میں حصہ لینا کیونکہ جوانی ایسی طاقت ہے جس میں عزم وارادہ پایا جاتا ہے۔ اس میں کام کرنے اور آگے بڑھنے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ اگر آپ اسے اچھے اور نیک کام میں لگائیں گے تو وہ آپ کے لیے مفید بن جائے گی اور اگر اچھے، نیک اور تعمیری کاموں میں نہیں لگائیں گے تو وہ آپ کے مخالف ہو جائے گی۔

۲۔ مدرسہ اور درس گاہ

مدرسے سے مراد وہ تعلیمی ادارہ ہے جو طالب علم کی تعلیم وتربیت کا اہتمام کرتا ہے اور اس کی صلاحیتوں، میلانات اور امیدوں کو مزید تقویت دیتا ہے۔ چاہے وہ اسکول ہو یا کوئی ادارہ یا کالج۔ طالب علم اس ادارے کا ایک اہم رکن اور اس کے اجزائے ترکیبی کا اہم عنصر ہوا کرتا ہے۔ پس ضروری ہے کہ اسے اچھے طریقے سے رکھا جائے اور اس کی اچھی مہمان نوازی کی جائے تاکہ وہ اس عظیم ذمہ داری کا ادراک کرلے جو اس کے کندھوں پر ڈالی جارہی ہے۔

طالب علم ذمہ دار لوگوں کے پاس ایک امانت ہوتا ہے۔ چاہے یہ ذمہ دار لوگ پرنسپل ہوں یا سربراہ مدرسہ، استاد اور معلم ہوں یا تعلیمی گائیڈ۔ انہیں چاہیے کہ اپنی بساط کے مطابق

Marfat.com

ان بچوں کو تیار کریں اور ان کی تربیت کریں اور ان کا ہاتھ تھام کر اس طرف رہنمائی کریں جس میں دینی اور دنیوی اعتبار سے خیر اور کامیابی ہو۔ ان کی اس طرح تربیت کرے جو ان کو ہر قسم کے فکری و اخلاقی انحراف و گمراہی سے محفوظ رکھے اور ان کو ایسا مفید شہری بنائے جو دوسروں کو فائدہ دیں، اپنی ذمہ داری کا احساس کریں اور اپنے فرائض کو جانیں اور یہ جان لیں کہ انہیں حال و مستقبل میں دین اور وطن اور معاشرے کے لیے کیا کرنا ہے۔ انہیں اپنے ارد گرد کے فتنوں، فریب کاریوں اور گوناگوں تبدیلیوں کے بارے میں ادراک ہونا چاہیے۔ انہیں دشمنوں کی سازشوں اور فکری اور مادی جنگ کا علم ہونا چاہیے تاکہ وہ اپنی امت کے مسائل کو حل اور معاشرتی مشکلات کو دور کر سکیں۔

جس نے تعلیم و تعلم کے پیشے کو اختیار کیا تو اس نے بڑا عظیم کام اپنے ذمے لیا۔ اسے چاہیے کہ درج ذیل امور کا خیال رکھے:

ا۔ استاد اور مربی ان صفات سے آراستہ ہو جو رسول اللہؐ اور صحابہ کرامؓ کی تھیں، جیسے اچھے اخلاق، سخاوت اور صلح کل طبیعت وغیرہ، نرمی کے بغیر تو وہ اس منصب کا اہل ہو ہی نہیں سکتا۔ علم تو وہ صفت ہے جو شرافت کے بغیر حاصل ہی نہیں ہوتی۔ شاگرد کی نفسیات پر استاد کی نیک سیرتی کا بڑا اثر پڑتا ہے۔ ہر استاد میں اپنے شاگرد پر اثر انداز ہونے کی صلاحیت نہیں ہوتی بلکہ بااثر استاد وہ ہوتا ہے جو اپنے حسن اخلاق سے دوسروں کی راہنمائی کرے۔

دیانت دار استاد وہ ہوتا ہے جسے علوم و معارف نصیب ہوئے اور اسے اللہ نے احساس اور فہم سے بھی نوازا ہو۔ امام مالکؒ نے ہارون الرشید کو لکھا جب تم نے کوئی علم سیکھ لیا تو تمہارے اوپر اس کا اثر اطمینان، وقار اور بردباری کی صورت میں ظاہر ہونا چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: العُلَمَاءَ وَرَثَةُ الأَنْبِيَاءِ (علما انبیا کے وارث ہیں)۔

Marfat.com

۲۔ مدرس کو سب سے پہلے اپنے شاگردوں کے بارے میں اپنی ذمہ داری کا احساس ہونا چاہیے۔ یہ بات معلوم ہونی چاہیے کہ اللہ ان کی اس ذمہ داری کا ان سے حساب لے گا۔ وہ کوشش کریں کہ دین کے اصول ومبادی، عقائد، اخلاق اور آداب ان نو عمر اور نوزایدہ عقلوں میں راسخ ہو جائیں۔ وہ عہد کریں کہ انہیں صحیح اسلامی تربیت دیں گے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور دعوت دین کی مناسبت سے درست طریقہ اختیار کریں گے تا کہ ایمان سے مسلح اور صحیح عقیدے سے آراستہ ایک نیک اور صالح نسل تیار ہو سکے۔

۳۔ استاد کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ اس کی ذمہ داری اپنے طلبہ کو صرف نصاب سے متعلق معلومات دینے پر منحصر نہیں ہے اور نہ ان کے ذہنوں کو ان معلومات سے بھرنا یا نصاب کے مقررہ حصے کو مکمل کرنا ہے بلکہ انہوں نے راہنمائی، نصیحت اور اچھی بات سے اس لیے آگاہ کرنا ہے تا کہ وہ جان لیں کہ وہ کسی اور نظریے اور رویے میں غلطی سے کس طرح بچ سکتے ہیں اور کس طرح اس کا علاج کر سکتے ہیں۔

۴۔ طلبہ کی یہ راہنمائی کرنا کہ وہ سیرت طیبہ اور امت کی روشن تاریخ پڑھیں، انہیں اس قابل فخر دین کی تاریخ میں سے بہادری کے واقعات سے آگاہ کرے اور ان سے حاصل اسباق اور روشنی کی طرف متوجہ کرے جن سے انسانی تاریخ کا رخ تبدیل ہو گیا اور پوری دنیا پر یہ بات واضح ہو گئی کہ دین اسلام تہذیب، ہدایت اور انصاف کا نام ہے جس کے سائے میں مسلمان، بے سہارا اور صلح کل لوگ امن اور سکھ کا سانس لیتے ہیں۔ اس دین کا فائدہ صرف انسانوں ہی کو نہیں بلکہ حیوانات اور نباتات کو بھی ہوتا ہے۔ یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ ہم موجودہ نسل کو ماضی کے ساتھ جوڑ دیں۔

Marfat.com

۵۔ تربیت کی ذمہ داری لینے والے کو چاہیے کہ وہ عالم کی صفات اور باپ کی سی شفقت اپنائے۔ اس خلا کو پُر کرنے کی کوشش کرے جو طالب علم اور استاد کے درمیان محسوس کیا جارہا ہو۔ وہ کوشش کرے کہ اسے طلبہ کا اعتماد حاصل ہو تاکہ وہ ان کے دلوں اور سینوں میں چھپی مشکلات اور تکالیف کو جان لے۔ یوں استاد کے لیے بہترین موقع ہوتا ہے کہ بہتر رخ کی طرف طالب علم کی راہنمائی کرے اور اس کے غلط موقف کی اصلاح کرے۔ بالخصوص وہ طلبہ سامنے رکھے جو ثانوی یا اعلیٰ تعلیمی مراحل میں ہیں۔

۶۔ وہ لہر جس کا تعلق فکری بے راہ روی اور رویے سے ہو اور جو طلبہ اور اساتذہ کو اپنی لپیٹ میں لے رہی ہو، اس کے بڑھنے اور پھیلنے سے پہلے ہی اس کا تدارک کرے۔

۷۔ رابطے کا ایک ایسا پل قائم کرنا جو اسکول اور والدین کے درمیان اعتماد اور محبت کا ذریعہ ہو تاکہ والدین گھر کے اندر اور باہر اپنے بچوں کے رویوں کے بارے میں جان سکیں۔ اور ان مشکلات اور رکاوٹوں کو دور کرنا جو ان کی تعلیمی راہ میں حائل ہوں اور مناسب تربیتی وسائل کے ذریعے اس بیماری کا جڑ سے علاج کر کے اس کا خاتمہ کرنا۔

۸۔ جدید نسل کو فکری بے راہ روی، باطل نظریات، گمراہ فرقوں، جماعتوں، باطل مذاہب اور جھوٹے اور پر فریب نعروں سے آگاہ کرنا خواہ وہ نئے ہوں یا پرانے تاکہ ان کے ذہن میں کوئی الجھن پیدا نہ ہو اور حق و باطل گڈمڈ نہ ہو۔ ورنہ مختلف راستوں میں بٹنے سے ان کے قدم ڈگمگا جائیں گے اور وہ ارادتاً یا بغیر ارادے کے خود بھی گمراہ ہو جائیں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کر دیں گے۔

Marfat.com

۹۔ طلبہ کو اس طرف متوجہ کرنا کہ علم و عمل لازم و ملزوم ہے۔ اسی طرح علم حاصل کر کے اسے عملی جامہ پہنانا۔ تعلیم کے ساتھ تربیت ضروری ہے اور طالب علم کو چاہیے کہ سیکھے ہوئے علم کو اپنی معاصر عملی زندگی کے ساتھ ہم آہنگ کرے۔

۱۰۔ طالب علموں کو معلومات عامہ، علم و معرفت، دین کے بارے میں فقہ کو اس کے اصل ماخذ یا معتبر علما سے حاصل کرنے کا عادی بنایا جائے۔

۱۱۔ طلبہ کو مختلف ممالک میں دعوتی طریق کار، داعی کی صفات، عقیدہ اور شرعی احکام کے نفاذ، مصالح کو پیش نظر رکھنے، عدل و مساوات قائم کرنے اور حقوق و واجبات ادا کرنے سے متعلق آگاہ کرنا چاہیے۔

۱۲۔ نوجوان نسل کے دلوں میں اللہ، رسول اللہ اور اولی الامر کی وفاداری اور اطاعت کا بیج بونا اور دینی و دنیاوی امور کے بارے میں خیر خواہ حکمران، مخلص امام اور اس کے نائبین کی طرف سے اطمینان دلانا کہ وہ ہمیشہ امت کی مصلحت کے کاموں میں مصروف ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی تعمیل ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا﴾ [النساء۴: ۵۹] (اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ اور رسول کی اور ان کی جو تم میں سے صاحب حکومت ہیں۔ پھر اگر تم کسی بات میں جھگڑ پڑو تو اس کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کرو۔ اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ پر اور یوم آخرت پر یہ بہتر ہے اور اس کا انجام بہتر ہے)۔

۱۳۔ طلبہ کو ان علما اور داعیان حق کے احترام پر ابھارنا جو دین دار، مخلص اور دیانت دار ہوں۔ لوگوں نے ان کے ثقہ ہونے، ان کی صاف سیرت اور استقامت کی گواہی دی ہو۔

Marfat.com

ضرورت کے وقت ایسے لوگوں سے علم حاصل کرنے ان کی بات کو سننے اور شرعی امور میں ان سے رجوع کرنے کی تلقین کرنا۔

۱۴۔ اپنے ملک کی خصوصیات اور دیگر بہت سے مثبت پہلوؤں کو بیان کرنا جن کی وجہ سے ملک دوسرے معاشروں سے ممتاز ہے اور یہ بتانا کہ یہ اللہ کے فضل و کرم سے شریعت اسلامی کی تنفیذ اور دین کی خدمت کا صلہ ہے۔

۱۵۔ بچوں کو بے کار بیٹھنے، فضول وقت گزارنے اور سستی سے خبر دار کرنا اور توجہ دلانا۔ انہیں محنت کرنے اور تعمیری نتائج دینے والے کاموں پر ابھارنا۔

۱۶۔ طلبہ کو اس بات پر ابھارنا کہ وہ تمدنی ترقی اور عام حکومتی اداروں اور ان کی طرف سے کیے گئے کاموں کی جہاں بھی ہو حفاظت کریں۔ یہ چیزیں ان ہی کے لیے ہوتی ہیں اور وہ ان کی چھاؤں میں رہ کر راحت اور ثمرات حاصل کر رہے ہوتے ہیں۔

۱۷۔ مختلف مراحل کے تعلیمی نصاب کا جائزہ لینا اور اسے بہتر بنانا جو ہماری ضروریات کے مطابق ہو اور دین اسلام اور اس کے احکام سے متصادم نہ ہو اور طلبا کی دینی و دنیوی امنگوں اور ضروریات کو پورا کرتا ہو۔

۳۔ علما و مبلغین

علما، فقہا اور مبلغین یہ زمین میں آسمان کے ستاروں کی مانند ہیں۔ ان کے ذریعے اندھیروں میں بھٹکے ہوئے انسان ہدایت پاتے ہیں۔ گم کردہ راہ ان کی پیروی سے اپنی منزل مقصود تک پہنچ جاتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو احکام کے استنباط پر مامور ہیں۔ انہوں نے حلال و حرام کے اصول و قواعد جاننے کے لیے ان تھک محنت کی ہے۔ یہی فتوی کے حق دار اور دعوت و

Marfat.com

اصلاح کے مجاز ہیں۔ یہی لوگ معاشرے کی قیادت کرنے کے حق دار ہیں کیونکہ یہ انبیا کے وارث ہیں۔

امت میں یہی لوگ وہ ذمہ داری سنبھالے ہوئے ہیں جو انبیا کی تھی۔ رسول اللہ ﷺ کی حدیث مبارکہ ہے: إِنَّ العُلَمَاءَ وَرَثَةُ الأَنْبِيَاءِ، إِنَّ الأَنْبِيَاءَ لَمْ يُوَرِّثُوا دِينَارًا وَلَا دِرْهَمًا إِنَّمَا وَرَّثُوا العِلْمَ [1] (علما انبیا کے وارث ہیں اور انبیا نے میراث میں درہم و دینار نہیں چھوڑے بلکہ میراث میں علم چھوڑا ہے)۔

بعض اسلاف جیسے سہل بن عبد اللہ التستری (المتوفی ۲۳۸) نے کہا: "جس کی خواہش ہو کہ وہ انبیا کی مجالس دیکھے تو وہ علما کی مجالس میں جا کر بیٹھے۔" ابن عبد البرؒ نے ایک قول بیان کیا ہے کہ "علما زمین میں ایسے ہیں جیسے آسمان میں ستارے ہیں اور علما اسلام کے جھنڈے ہیں۔ عالم کی مثال ایک ایسے چراغ جیسی ہے جو مسافر اور راہ گزر کو روشنی عطا کرتا ہے، اگر علم نہ ہوتا تو لوگ چوپاؤں جیسے ہوتے۔ یہ ایسا گروہ ہے کہ اس کے پاس بیٹھنے والا اس کے فیض سے محروم نہیں رہتا۔ لوگوں کے لیے علم کی ضرورت کھانے پینے سے بھی زیادہ ہے۔"[2]

علما کی ذمہ داری بہت بڑی ہے اور ان کا منصب بہت بلند ہے۔ ان کو چاہیے کہ حق کی پاسداری کریں اور اس کی طرف دعوت دیں اور لوگوں کو باطل اور فریب کاروں سے بچائیں۔

اللہ تعالیٰ نے اس پاک اور مبارک سرزمین (سعودی عرب) پر بہت بڑا احسان کیا ہے کہ اس میں فقہا، عارفین، مخلص مبلغین کی ایک بڑی جماعت موجود ہے۔ ان کے بارے میں ہمارا

---

1 سنن ترمذی، أبواب العلم، باب ما جاء في فضل الفقه على العبادة، حديث ۲۶۸۲

2 ابن عبد البر، جامع بيان العلم وفضله، ۱: ۱۵۸

Marfat.com

حسن ظن یہی ہے۔ باقی دلوں کا حال تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے، خاص کر وہ لوگ جن میں اجتہاد، فتویٰ، نصیحت اور دعوت وارشاد کی صلاحیت موجود ہے۔ امت مسلمہ نے ان کے علم کو قبول کیا اور ان کے فتاویٰ کو پذیرائی بخشی۔ یہ اللہ کی نعمت ہے جس کو وہ چاہے عطا کر دیتا ہے اور ائمہ عظام کی اس جماعت کو حکمرانوں کی بھرپور سرپرستی حاصل ہے۔ نیک حکمرانوں نے ان کے لیے صحیح شرعی علم کے حصول کے وسائل مہیا کر رکھے ہیں۔ انہیں قرآن وسنت کی روشنی میں دین کی تفہیم کے کام پ مقرر کر دیا ہے اور اس علم کی اشاعت اور تبلیغ کے مواقع مہیا کر دیے ہیں۔ ہم ان کے لیے دعاگو اور ان کے ثناخواں ہیں کیونکہ انہوں نے ہر بدعت کا راستہ روک رکھا ہے، ہر گمراہی کے خلاف جدوجہد کی ہے اور امر بالمعروف والنہی عن المنکر اور دعوت الی اللہ کے فریضے کو حکمت اور موعظہ حسنہ کے ساتھ ادا کیا ہے۔

انہوں نے مشکوک اجتہادات سے اجتناب کیا جو اصلاح کی بجائے بگاڑ کا باعث بنتے ہیں۔ انہوں نے ایک غلطی کا ازالہ دوسری غلطی سے نہیں کیا اور نہ ہی بیماری کی تشخیص سے قبل اس کا علاج تجویز کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ﴾ [فاطر ۳۵:۲۸] (اللہ سے ڈرتے ہیں اس کے بندوں میں سے علم رکھنے والے)۔

موجودہ دور میں فتنوں، نفسانی خواہشات، مادہ پرستی اور باطل نظریات وافکار کا زور ہے۔ حق باطل کے ساتھ اور ہدایت، گمراہی کے ساتھ خلط ملط ہوگئے ہیں۔ عامۃ الناس کم علمی اور دین میں مناسب فہم نہ ہونے کی وجہ سے ہدایت اور استقامت کے راستے سے ہٹ گئے ہیں۔ لہٰذا علما اور مبلغین کی ذمہ داری ہے کہ ایسے لوگوں کو راہ راست پر لانے کی کوشش کریں۔ اس کے لیے وہ درج ذیل امور کا اہتمام کریں۔

Marfat.com

۱۔ دعوت و تبلیغ کا وہ منہج اختیار کریں جو اہل سنت والجماعت کا منہج ہے اور جو کتاب و سنت، سلف صالح اور صحابہ کرامؓ کی سیرت سے ماخوذ ہے۔

۲۔ ایمان باللہ اور صحیح عقیدے کو دلوں میں راسخ و جاگزیں کرنا، اس عقیدے سے لوگوں کو کما حقہ آگاہ کرنا، شرک اور اس کی تمام صورتوں سے آگاہ کرنا خواہ وہ نئی ہوں یا پرانی، یہی وہ بنیاد ہے جس پر مسلم افراد کی اصلاح کی جاتی ہے۔

۳۔ ان وسائل کا قلع قمع کرنا جو نوجوانوں کو علمائے حق سے بیگانہ کرنے والے ہوں اور اسلاف کے منہج پر عمل کرنے اور تعلیم و تعلم اور دعوت سے روکتے ہوں۔

۴۔ دین داری اختیار کرنے اور اس پر استقامت کے لیے اسلام کے منہج کی وضاحت کرنا۔ آج کے نوجوانوں کو ایک ایسی قیادت کی ضرورت ہے جو ان کی شخصیت کی تعمیر اور ان کی بیداریِ نو میں اپنا مکمل کردار ادا کر سکے۔ یہ بیداری محض جوش و خروش اور زبانی نعروں تک ہی محدود نہ ہو، پھر اس کا بھی لحاظ رکھا جائے کہ کہیں یہ جوش و خروش انہیں کسی غلط رخ پر نہ لے جائے۔

۵۔ علما، مفکرین، مبلغین اور ارباب اصلاح کو چاہیے کہ اسلام کی خوبیوں کو اجاگر کرنے کے لیے ان تھک جدوجہد کریں۔ شریعت کی نمایاں خصوصیات اور دین حق کی اعلیٰ اقدار لوگوں کے سامنے آسان انداز میں پیش کریں۔ خصوصاً نوجوانوں کے سامنے اسلام کی ایک شفاف اور روشن تصویر پیش کریں اور اخلاق حسنہ کا نمونہ بنیں۔

۶۔ عبادات جیسے نماز، روزہ، زکاۃ، اور حج وغیرہ کی ادائیگی کی صحیح اور مکمل کیفیت بیان کریں۔ نیز معاملات اور عائلی قوانین جیسے نکاح، طلاق وغیرہ کی فقہ اسلامی کی روشنی میں وضاحت کریں اور باقاعدگی سے علمی دروس کا اہتمام کریں۔

Marfat.com

۷۔ والدین اور اولاد کے باہمی حقوق و فرائض کی تلقین کریں اور اس بات پر بھی زور دیں کہ والدین اپنی اولاد کی صحیح اسلامی تربیت کا اہتمام کریں۔

۸۔ تسلسل سے نوجوانوں کے ساتھ تبادلہ خیال کیا جائے، ان کے ساتھ ایک بامقصد مکالمہ کیا جائے تاکہ ان کی سوچ اور خیالات سے آگاہی ہو سکے اور ان کے سوالات کے جوابات دیے جائیں اور ان کی سوچ میں جہاں خامی ہو اس کی اصلاح کی جائے اور انہیں حق پر ہمیشہ قائم رہنے کی نصیحت کی جائے۔

۹۔ معاشرے کو ہر قسم کی بیرونی فکری اور ثقافتی یلغار سے محفوظ کرنے کی کوشش کریں خواہ وہ گمراہی اور بے راہ روی کی شکل میں ہو یا فرسودہ مادی افکار ہوں، کوشش کی جائے کہ ان کے پھیلنے سے پہلے ہی ان سے بچاؤ کی تدابیر کی جائیں۔ پھر یہ کہ پھیلنے کے بعد کامیابی سے اس کا علاج کیا جائے اور یہ سارے کام مختلف دروس اور سیمینار اور باہمی ملاقاتوں کے ذریعے سے سرانجام دیے جائیں۔

۱۰۔ گمراہ علما، جاہل مبلغوں، اور بدعت اور فتنے فساد پھیلانے والوں سے لوگوں کو خبردار کرنا۔

۱۱۔ اس عالم اور داعی کی صفات کو اجاگر کرنا جس سے علم حاصل کیا جاتا ہے۔ فتوی کی صحت معلوم کرنا اور جواب میں جلد بازی سے اجتناب کرنا اور اسے ان علما اور فقہا کی طرف لوٹا دینا جن میں اس کام کی اہلیت اور صفات موجود ہوں۔

اسلام کے اولین دور میں علما اور فقہا کی یہی شان تھی اور بعد میں آنے والے علما اور فقہا نے ان سے میراث میں یہی کچھ حاصل کیا۔ ابن مسعودؓ سے کسی مسئلے کے بارے میں دریافت کیا جاتا تو وہ ایک مہینے تک اس میں غور و خوض کرتے اور پھر کہتے: اللهم ان كان صوابا

Marfat.com

فمن عندک وان کان خطأ فمن ابن مسعود (اے اللہ اگر میری یہ بات درست ہے تو یہ تیرا کرم ہے اور اگر اس میں کوئی غلطی ہے تو یہ ابن مسعود کی کوتاہی کی وجہ سے ہے)۔

حضرت ابن مسعودؓ سے عراق میں جب کسی چیز کے بارے میں پوچھا جاتا تو اس کے مطابق جواب دیتے اور جب مدینے تشریف لاتے تو پھر اس چیز کے بارے میں دریافت کرتے اور اگر صورت حال مختلف ہوتی تو سابقہ جواب سے مختلف جواب دیتے اور جب واپس آتے تو نہ اپنی سواری سے اترتے اور نہ ہی اپنے گھر داخل ہوتے بلکہ سیدھا اس سائل کے پاس پہنچ کر اسے اپنے سابقہ قول سے رجوع کرنے کی اطلاع دیتے۔

امام مالکؒ کا طریقہ یہ تھا کہ وہ جلدی میں سائل کو جواب دینے کو ناپسند کرتے تھے اور کبھی تو سوال کرنے والے کو واپس کر دیتے اور کہتے عالم کی ڈھال لا أدری کا کلمہ ہے (یعنی میں نہیں جانتا)، اگر عالم نے تیر کو ڈھال سے نہ روکا تو وہ سائل کو لگ جائے گا۔ کہتے تھے کہ عالم کی کمزوریوں میں سے یہ ہے کہ وہ ہر سوال کا جواب دے۔ یہ بات یاد رہے کہ امام مالکؒ نے فتوے کا منصب اس وقت تک نہیں سنبھالا تھا جب تک کہ ستر علما نے ان کے اندر فتویٰ دینے کی صلاحیت موجود ہونے کی گواہی نہ دی۔

امام مالکؒ کا یہ طرز عمل سلف صالحین کے منہج اور رویے کے عین مطابق ہے جو فتوی دینے میں انتہائی احتیاط برتتے تھے۔ نبی کریم ﷺ نے بغیر مکمل تیاری کے فتویٰ دینے میں پہل کرنے سے خبردار کیا ہے۔ دارمیؒ نے اپنی کتاب میں نقل کیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: أجراکم علی الفتیا أجراکم علی النار (تم میں سے فتویٰ دینے کی جلدی کرنے والا جہنم میں جانے کے لیے زیادہ جلدی کرنے والا ہے)۔ اسی سلسلے میں ابن قیمؒ نے فرمایا جب کوئی اس منصب پر آنا چاہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ اس کے لیے مکمل تیاری کرے،

Marfat.com

تمام وسائل بروئے کار لائے اور اس منصب کی قدر و منزلت کو پہچانے۔ وہ حق بات کہنے میں اپنے سینے میں تنگی محسوس نہ کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کا مددگار اور راہنما ہے۔

رب کریم نے خود اس کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے اور فرمایا ہے: ﴿وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ﴾ [النساء۴: ۱۲۷] (آپ سے عورتوں کے بارے میں حکم دریافت کرتے ہیں۔ آپ کہہ دیجیے اللہ تمہیں ان کے بارے میں فتویٰ (حکم) دیتا ہے)۔ منصب افتا کی عظمت اور اعلیٰ مقام کے ثبوت کے لیے یہ بات کافی ہے کہ اللہ نے خود اس کا ذمہ لیا ہے اور اس نے اپنی کتاب میں فرمایا ہے: ﴿يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ﴾ [النساء۴: ۱۷۶] (آپ سے حکم دریافت کرتے ہیں کہہ دیجیے تمہیں کلالۃ کے بارے میں فتویٰ (حکم) دیتا ہے۔

مفتی کو یہ جان لینا چاہیے کہ وہ فتوی دینے میں کس کا نائب ہے اور اس کو یقین کرنا چاہیے کہ وہ کل اس فتوے کا ذمہ دار اور اللہ کے سامنے جواب دہ ہو گا۔[1] نیز سائل کو چاہیے کہ وہ فتویٰ لینے کے لیے زیادہ علم والے اور پرہیز گار انسان کا انتخاب کرے۔ دین کے بارے میں اسی سے پوچھا جاتا ہے جس کے علم اور تقوے پر اعتماد ہو۔ امام شاطبیؒ نے فرمایا: جب بھی کسی کو سوال کرنا ضروری ہو تو اس کے لیے مناسب ہے کہ اس شخص سے سوال کرے جو سوال کیے جانے کا صحیح معنی میں اہل ہو۔[2]

1 ابن قیم، اعلام الموقعین ۱: ۱۱

2 شاطبی، الموافقات ۴: ۱۶۲

Marfat.com

آج کل مسلم معاشروں میں یہ بیماری زور پکڑ گئی ہے کہ شرعی امور میں فتویٰ وہ لوگ دینے لگے ہیں جن میں مفتی کی شرائط موجود نہیں اور بہت ساری وہ صفات جو اس مقام اور مرتبے کے لیے ضروری ہیں ان میں مکمل نہیں پائی جاتیں۔ انہیں چاہیے کہ اپنے مقام کو سمجھیں اور ان شرائط سے آگاہی حاصل کریں۔ بہت سارے واقعات ان لوگوں کی وجہ سے رُونما ہوتے ہیں جو اس منصب کے اہل نہیں، اسی طرح بہت سے لوگ اپنی کم علمی کے باوجود منصب افتا کو چھوڑنا نہیں چاہتے حالانکہ وہ اس منصب کے اہل ہی نہیں ۔ کبھی اس منصب پر وہ لوگ فائز ہو جاتے ہیں جن کا شرعی علوم کے ساتھ کوئی تعلق ہی نہیں ہوتا خاص طور پر فقہ اور اصول فقہ جیسے علوم میں ان کی کوئی مہارت نہیں ہوتی بلکہ ان کی مہارت میڈیکل، انجینئرنگ، فزکس اور ریاضی وغیرہ میں ہوتی ہے، دینی علوم میں وہ عام لوگوں کی طرح ہوتے ہیں۔ علمائے علم اصول فقہ نے واضح طور پر لکھا ہے کہ اہل اقتدار کو چاہیے کہ ان لوگوں کو فتویٰ دینے سے منع کریں جن کی نہ تو علمی شہرت ہو اور نہ ہی ان کی علمی حالت معروف ہو۔

۴۔ مسجد

مسجدیں اللہ کا گھر ہیں اور اس کی رحمت، سکون و اطمینان اور فرشتوں کے اترنے کی جگہ ہیں۔ زمین پر اللہ کے نور کا پرتو ہیں، اس بنا پر یہ بہترین جگہ ہیں۔ یہ مومنوں کے دلوں کی آماجگاہ اور ان کی عبادت اور نماز کے لیے جمع ہونے کی جگہ ہیں۔ علم کے سیکھنے سکھانے اور دعوت اسلام کا مرکز ہیں۔ دینی تربیت گاہ اور جہادی مرکز ہیں اور یہاں لوگ آپس میں ایک دوسرے سے تعارف حاصل کرتے ہیں، ان میں پیار و محبت بڑھتا ہے اور نیکی کے کاموں میں باہمی تعاون کرتے ہیں۔ یہ وہ جگہیں ہیں جہاں روح کو زندگی، عقل کو تازگی اور دل کو سرور اور ارادوں کو پختگی ملتی ہے اور یہاں سے نور کی شعاعیں پھوٹتی ہیں۔

Marfat.com

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فِي بُيُوتٍ أَذِنَ اللهُ أَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ يُسَبِّحُ لَهُ فِيهَا بِالْغُدُوِّ وَالْآصَالِ رِجَالٌ لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ لِيَجْزِيَهُمُ اللهُ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَيَزِيدَهُمْ مِنْ فَضْلِهِ وَاللهُ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ [النور۲۴: ۳۶-۳۸] ((وہ قندیل) ان گھروں میں (ہے) جن کے بارے میں اللہ نے ارشاد فرمایا ہے کہ بلند کیے جائیں اور وہاں خدا کے نام کا ذکر کیا جائے (اور) ان میں صبح وشام اس کی تسبیح کرتے رہیں (یعنی ایسے) لوگ جن کو خدا کے ذکر اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے سے نہ سوداگری غافل کرتی ہے نہ خرید وفروخت۔ وہ اس دن سے جب دل (خوف اور گھبراہٹ کے سبب) الٹ جائیں گے اور آنکھیں (اوپر کو چڑھ جائیں گی) ڈرتے ہیں تاکہ خدا ان کو ان کے عملوں کا بہت اچھا بدلہ دے اور اپنے فضل سے زیادہ بھی عطا کرے۔ اور جس کو چاہتا ہے خدا بے شمار رزق دیتا ہے)۔

جب کسی کا دل مسجد کے ساتھ جڑا ہو اور وہ بار بار مسجد آتا ہو تو یہ اس کے ایمان کے سچا ہونے کی دلیل ہے، جیسا کہ حدیث شریف ہے جس کو امام احمد بن حنبلؒ اور امام ترمذیؒ نے روایت کیا ہے: إِذَا رَأَيْتُمُ الرَّجُلَ يَعْتَادُ الْمَسْجِدَ فَاشْهَدُوا لَهُ بِالإِيمَانِ (جب تم دیکھو کہ ایک آدمی مسجد میں کثرت سے آمد ورفت رکھتا ہے تو اس کے ایمان کی گواہی دو)۔

جس جگہ کی یہ شان ومنزلت ہو تو ضروری ہے کہ اس کا کردار بھی اتنا ہی بڑا ہو جسے وہاں آنے والوں کی زندگی میں محسوس کیا جائے اور ان کی نیک فکر وبہتر سلوک کی طرف رہنمائی کرے۔ خاص کر اس مسلمان کی جو دن رات پانچ مرتبہ مسجد آتے ہیں۔ یہ چیز ان لوگوں کی اہمیت

Marfat.com

کو اجاگر کرتی ہے جو مسجد کے ذمہ داران ہیں یا وہاں معلم ہیں یا مسجد کے امور کے ساتھ ان کا کوئی واسطہ ہے جیسے علما، خطبا اور داعی حضرات ہیں اور اس بنا پر ان کی ذمہ داری بڑھ جاتی ہے اور اصلاح معاشرہ میں ان کا کردار مزید اہم ہو جاتا ہے کیونکہ ان کا تعلق عوام سے ہمیشہ قائم رہتا ہے اور ان کی زندگی پر اثر انداز ہوتا ہے خاص کر امام اور خطیب کا کردار تو اس راہنمائی، تعلیم، دعوت وارشاد، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے حوالے سے بہت ہی اہم ہے۔

ہمارے اکابر اور سلف صالحین نے مسجد کی اہمیت اور مقام کو بخوبی سمجھا اور محسوس کیا اور انہوں نے مسجد کو عبادت کی جگہ اور اللہ کی قربت کا ذریعہ بنانے کے ساتھ ساتھ علم، ثقافت اور تربیت کے لیے بطور درس گاہ استعمال کیا۔ یہیں پر دین اسلام کے عقائد واحکام کی تعلیم، قرآن و سنت کی تدریس ہوئی اور علم کے حلقے قائم ہوئے اور بڑے اور چھوٹے، مال دار اور نادار، آقا اور غلام، اعلی اور ادنی درجے والے بغیر کسی تمیز کے اللہ کے حضور سب کے سب جمع ہو جاتے ہیں۔ ان میں اللہ کے زیادہ قریب وہ ہوتا ہے جو ان میں تقویٰ میں زیادہ ہو۔

تمام اسلامی ادوار اور ممالک اسلامیہ میں مساجد نے دین و شریعت اور علوم اسلامی کی حفاظت کا کردار ادا کیا ہے اور کر رہی ہیں۔ مساجد کے کردار سے لوگ علم و معرفت کے خزانوں سے منور ہوئے اور یہیں سے علما، فقہا، داعیان اسلام، قاضی اور یگانۂ روزگار گروہ نکلے جن کی شہرت چہار دانگ پھیلی۔ ان کا علم پھیلا اور اس سے نفع عام حاصل ہوا۔ اس لیے ہماری ذمہ داری یہ ہے کہ مسجد کے اسی کردار کا احیا کیا جائے تاکہ اسے معاشرے میں قیادت کا مقام ملے اور نئی نسل کو اس کے ساتھ جوڑا جائے تاکہ وہ استقامت وہدایت کی راہ پر گامزن رہیں۔ مسجد دینی و علمی مرکز بن کر خیر اور بہتری کی ان سرگرمیوں میں حصہ لے جو امت کو دنیوی واخروی کامیابی سے ہمکنار کر سکیں اور اسے اس طرح سے تیار کرے جس طرح اسے ہونا چاہیے۔ یہ کام

Marfat.com

معتبر علما اور ائمہ و داعیانِ حق کی نگرانی میں ہو تا کہ بہتر نتائج حاصل ہو سکیں۔ اس سلسلے میں مندرجہ ذیل امور کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

ا۔ بہتر سے بہتر امام و خطیب کا انتخاب ہونا چاہیے تا کہ مسجد کی امامت و خطابت ایسے شخص کے سپرد کی جائے جس میں مسلم معاشرے کی اس مؤثر ترین ذمہ داری کو ادا کرنے کی اہلیت موجود ہو اور اس سے متعلقہ تمام شرائط اور صفات بھی ہوں جیسا کہ اس لے عقیدے کا درست ہونا، بدعات سے دوری، نیک اخلاق، دین کا فہم، نفع رسانی کا جذبہ اور معاشرہ کے حالات سے آگاہی وغیرہ۔ اسے یہ احساس ہونا چاہیے کہ وہ اس ذمہ داری میں رسول اللہ ﷺ کا نائب ہے۔ آنحضرت ﷺ نے اس کام کو سنبھالا یہاں تک کہ آپ اللہ کو پیارے ہو گئے۔ آپ ﷺ کے بعد آپ کے خلفاے راشدین نے یہ ذمہ داری انجام دی پھر یہ ذمہ داری حاکم وقت یا اس کے نائبین جو علم و فضل اور دین داری سے مالا مال تھے ان پر آپڑی جنھوں نے اسے بخوبی سرانجام دیا۔ یہ اس بات کی بڑی دلیل ہے کہ اس منصب کا بڑا مقام ہے اور مسلمانوں کی زندگی میں اس کا بڑا کردار ہے۔ نیز اس کے بہت سے فائدے ہیں اور اس کے لیے بڑا ہی اجر وثواب ہے۔

۲۔ وہ وعظ اور خطبے جو مسجد کے منبر سے دیے جاتے ہیں بالخصوص خطبہ جمعہ وغیرہ ان کا سامعین کے دلوں پر بڑا اثر ہوتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ ان کے لیے اچھی تیاری کی جائے، بہترین الفاظ کا انتخاب ہو اور اسلوب بیان اچھوتا ہو، ابلاغ مؤثر ہو، یہ نمازیوں کے دل کی آواز ہو، ان میں معاشرے کے حالات کی عکاسی ہو اور لوگوں کی ضرورتوں سے ہم آہنگ ہو اس میں کوئی تکلف نہ ہو، الفاظ میں ابہام و کنایہ نہ ہو، تھکا دینے والی طوالت ہو، نہ مبہم اختصار ہو اور نہ ہی لوگوں کے جذبات سے کھیلا جائے اور نہ کسی کی کردار کشی کی جائے نیز خطبہ سطحی پن

Marfat.com

اور بے مقصد باتوں سے پاک ہو۔ خطبے میں صرف وعید اور ناامیدی کے پہلو ہی پر اکتفا نہ کیا جائے بلکہ اس کے ساتھ بشارت، ترغیب اور امید کے پہلو کو بھی ملحوظ رکھتے ہوئے دونوں پہلوؤں میں امتزاج پیدا کیا جائے۔

خطیب کے لیے ضروری ہے کہ وہ علم اور فقہ کے زیور سے آراستہ ہو اور ارد گرد کے حالات اور واقعات سے باخبر ہو اور خطبے میں ان حالات وواقعات کی عکاسی ہو نیز اسے مسائل و مشکلات کے حل کے لیے ترجیحات کو مد نظر رکھنا چاہیے اور اپنے پیش رُو خطبا کی بے جا نقالی کرنے سے اجتناب کرے کیونکہ ہر زمانے میں خطبے اس وقت کے حالات کے تناظر میں دیے جاتے ہیں اور ہر زمانے کے حالات، مسائل اور تقاضے الگ ہوتے ہیں۔

۵۔ معاشرہ

اللہ پاک نے اس مبارک سرزمین (سعودی عرب) کو نیک صالح، دانا اور مشفق حکمرانوں کی قیادت عطا کی ہے جس نے صحیح اسلامی عقائد و تعلیمات پر سیاسی و اجتماعی نظام استوار کیا ہے اور انہوں نے اس صحیح عقیدے کو لوگوں کے دلوں میں اتارنے کی پوری کوشش کی ہے کیونکہ یہ وہ عقیدہ ہے جو اللہ اور نبی پاک اور سلف صالحین سے ہم تک پہنچا ہے اور یہ نظام آج کی پیداوار نہیں بلکہ جب سے شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب کے تعاون سے یہ نظام ایک نیک صفت حکمران محمد بن سعود کے ہاتھوں تشکیل پایا اس وقت سے لے کر آج تک یہ خاندان عقیدۂ حقہ کی پاسداری اور اس کے دفاع میں کسی بھی طاقت و صلاحیت خواہ وہ مادی ہو یا اَفرادی کے استعمال کرنے سے دریغ نہیں کر رہا اور آئندہ بھی نہیں کرے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ گمراہ کن نظریات، فتنہ انگیزیاں، انتشار آمیز حادثات و واقعات اور معاصر باطل نظریات اس حکومت کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ یہاں کے حکمرانوں نے اللہ سے یہ عہد کیا ہے کہ وہ اس سرزمین پر شریعت نافذ کریں گے۔

Marfat.com

جبکہ عالم اسلام کے بے شمار ممالک کلی یا جزوی طور پر اس سے محروم ہیں۔ انہوں نے ہر فتنہ وفساد کے سدباب میں ان تھک کوشش کی اور امن واستحکام قائم کرنے کے لیے دن رات محنت کی اور یہاں کے مقامی وغیر مقامی سب کے لیے باعزت زندگی گزارنے کے لیے وسائل مہیا کیے اور علم اور اہل علم کی سرپرستی کی ہے اور حصول علم کے تمام ذرائع مہیا کر دیے ہیں تاکہ وہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی عظیم ذمہ داری ادا کر سکیں۔ نماز کی پابندی، زکوٰۃ کی ادائیگی اور باہمی مشاورت سے ایک ایسا سیاسی نظام تشکیل دیا جس کے دروازے حکمرانوں اور ہم وطنوں کی باہمی مشاورت کے لیے ہر وقت کھلے ہیں، جہاں راعی رعیت کے ساتھ اور حاکم محکوم کے ساتھ ایک ہی دستر خوان پر جمع ہوتے ہیں اور وہ سب ایک ہی مقصد کے حصول کے لیے کوشاں ہیں اور وہ وطن کی خوشحالی اور ملکی وقار کی بلندی ہے، سب اس کی ترقی کے لیے ہمہ تن مصروف عمل ہیں جب کہ دنیا کے بے شمار ملکوں پر فرد واحد کی حکمرانی اور ڈکٹیٹر شپ قائم ہے۔

یہی نیک خصلت حکمران حرمین شریفین کی خدمت اور توسیع اور حجاج کرام اور زائرین کی راحت اور امن وامان کی خاطر عظیم خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اس کے علاوہ قرآن کریم کی طباعت اور پورے عالم میں اس کی مفت تقسیم کی خدمات بھی انجام دے رہے ہیں۔ انہوں نے اپنی عوام کے لیے مفت علاج کی سہولیات مہیا کیں اور کاروباری سرگرمیوں پر کسی قسم کا ٹیکس عائد نہیں کیا، شہریوں کو ایسے مواقع مہیا کیے کہ وہ بغیر سود اور ٹیکس کے ذاتی مکان حاصل کر سکیں۔ اس کے علاوہ نجی کاروبار میں حکومت کی طرف سے خصوصی امداد دی جاتی ہے جس کی مثال پوری دنیا میں نہیں ملتی۔ سعودی حکومت کی کوشش رہی ہے کہ وہ پوری دنیا میں اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کے حوالے سے اپنا مشن اور دینی، تاریخی وانسانی ذمہ داری کا فریضہ

Marfat.com

انجام دے۔ اس کا مطمح نظر اسلامی وحدت اور مسلمانوں میں اتحاد و یگانگت کو فروغ دینا ہے۔ انہی کاوشوں کے پیش نظر مملکت سعودی عرب عالم اسلام کے ماتھے کا جھومر بن گئی ہے۔

یہ حکومت محض مال و دولت اور خوشحالی کا نمونہ ہی نہیں بلکہ یہ ایک مشن، اصول، مقصد اور شان دار اسلامی تہذیب و تمدن پر مبنی حکومت ہے۔ اس مملکت نے روز اول سے صحیح معنی میں اسلام کے نفاذ کے ساتھ ساتھ جدید دور کے ترقی کے ذرائع اور جدید ٹیکنالوجی سے بھی بھرپور استفادہ کیا ہے۔

اسی طرح اس ملک کے حکمرانوں نے اللہ کے فضل سے اس ملک کی دینی شناخت کے تحفظ، ترقی، امن و استحکام اور خوشحالی میں اہم کردار ادا کیا ہے اور جو کچھ کامیابیاں اور ترقی کی مختلف شکلیں ہر میدان میں نظر آتی ہیں یہ ان کی جدوجہد کا ثمر ہے۔

لہٰذا جس ملک کا یہ مقام و مرتبہ ہو اور جہاں پر ایسا اچھا نظم حکومت ہو اور جس کے ذمہ داران کا یہ طرز عمل ہو تو پھر بلاشبہ ایسے لوگ قدر و احترام اور عزت و تکریم کے لائق ہیں اور ان کے اپنی عوام پر بے شمار احسانات اور حقوق ہیں جن میں اہم ترین یہ ہیں۔

۱۔ قائدین اور تمام ذمہ داران حکومت کا شکریہ ادا کرنا اور ان کی کامیابی کے لیے رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے دعا کرنا: لَا يَشْكُرُ اللهَ مَنْ لَا يَشْكُرُ النَّاسَ [1] (جو بندوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کا بھی شکریہ ادا نہیں کر سکتا) ایک اور حدیث جسے امام احمدؒ، امام ابو داؤدؒ اور امام نسائیؒ نے صحیح سند سے نقل کیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: مَنْ صَنَعَ إِلَيْكُمْ مَعْرُوفًا فَكَافِئُوهُ، فَإِنْ لَمْ تَجِدُوا مَا تُكَافِئُونَهُ، فَادْعُوا لَهُ

---

1 سنن ابوداؤد، کتاب الأدب، باب في شكر المعروف، حدیث ۴۸۱۱

Marfat.com

حَتّٰی تَرَوْا أَنَّکُمْ قَدْ کَافَأْتُمُوْہُ (جس نے تمہارے ساتھ کوئی نیکی کی ہو تو اسے صلہ ضرور دو اگر تمہارے پاس صلہ دینے کے لیے کچھ نہ ہو تو اس کے لیے دعا کرتے رہو یہاں تک کہ تم سمجھو کہ تم نے اس کا حق ادا کر دیا ہے)۔

۲۔ ذاتی پسند اور ناپسند، سختی اور نرمی ہر حال میں ان حکمرانوں کی اطاعت و فرماں برداری کی جائے، الا یہ کہ وہ کوئی گناہ کا کام ہو، اور انہیں پوری تقویت پہنچائی جائے اور کسی شرپسند، باغی، افواہ ساز کو موقع نہ دیا جائے کہ وہ وحدت میں رخنہ ڈالے اور اتفاق کو پارہ پارہ کرے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے جسے امام مسلمؒ نے روایت کیا ہے: مَنْ أَتَاکُمْ وَأَمْرُکُمْ جَمِیعٌ عَلَی رَجُلٍ وَاحِدٍ، یُرِیدُ أَنْ یَشُقَّ عَصَاکُمْ، أَوْ یُفَرِّقَ جَمَاعَتَکُمْ، فَاقْتُلُوْہُ[1] (جب تم سب کا اتفاق ایک شخص پر ہو چکا ہو اور کوئی آکر تمہاری وحدت کو نقصان پہنچانا چاہے اور تمہاری جماعت میں رخنہ ڈالنا چاہے تو اس کو قتل کر ڈالو)۔

۳۔ یہ بات اچھی طرح ذہن نشین رہے کہ اس ملک اور اس کے باسیوں کے خلاف دشمن طرح طرح کے منصوبے بناتا ہے تاکہ اس ملک کی بنیادوں کو کھوکھلا کر دے اور علما و حکمرانوں پر اعتماد کو متزلزل اور عقیدہ اور دین میں شکوک و شبہات پیدا کر دے۔

۴۔ ملکی امن کی حفاظت کے لیے تمام لوگ اپنے کان اور آنکھیں کھلی رکھیں اور اس مقصد کے لیے قانون نافذ کرنے والے اداروں اور سرحدوں کے پاسبانوں کے ساتھ مل کر جرائم پیشہ افراد، فساد پھیلانے اور ملکی امن کو تباہ کرنے والے گروہوں کی سرکوبی کریں اور تخریب کاروں، شرپسندوں اور اہل بدعت کو اپنی صفوں میں پناہ نہ دیں۔

---

1 صحیح مسلم، کتاب الإمارۃ، باب حکم من فرق أمر المسلمین وھو مجتمع، حدیث ۱۸۵۲

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے جسے امام مسلمؒ نے روایت کیا ہے: فَمَنْ أَحْدَثَ فِيهَا حَدَثًا، أَوْ آوَى مُحْدِثًا، فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ، لَا يَقْبَلُ اللهُ مِنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ صَرْفًا، وَلَا عَدْلًا، وَذِمَّةُ الْمُسْلِمِينَ وَاحِدَةٌ يَسْعَى بِهَا أَدْنَاهُمْ[1] (جس نے دین میں کوئی نئی چیز ایجاد کی یا کسی بدعتی کو پناہ دی تو اس پر اللہ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہو گی۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی نہ مالی اور نہ بدنی عبادت قبول کرے گا اور تمام مسلمان پناہ دینے میں برابر کا حق رکھتے ہیں، خواہ پناہ دینے والا ایک عام مسلمان ہی کیوں نہ ہو)۔

۵۔ سب لوگ مل کر آپس میں اسلامی بھائی چارے، دین، محبت، باہمی تعاون، صلہ رحمی، خیر خواہی، نیک کاموں اور پرہیز گاری میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کریں اور ہر قسم کی نفرت، اختلافات، تشدد، تعصب اور بے راہ روی کو چھوڑ دیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ﴾ [الحجرات ۴۹: ۱۰] (بے شک مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں)۔

اور فرمایا: ﴿وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللهَ إِنَّ اللهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ﴾ [المائدۃ ۵: ۲] (اور نیکی اور پرہیز گاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو اور گناہ اور ظلم کی باتوں میں مدد نہ کیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ کچھ شک نہیں کہ خدا کا عذاب سخت ہے)۔

نیز فرمایا: ﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا﴾ [آل

1 صحیح مسلم، باب تحریم تولي العتيق غير مواليه، حدیث ۱۳۷۰

Marfat.com

عمران ۳: ۱۰۳] (اور سب مل کر اللہ کی (ہدایت کی رسی) کو مضبوط پکڑے رہنا اور متفرق نہ ہونا اور خدا کی اس مہربانی کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہو گئے)۔

نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے جسے امام احمدؒ، امام ابو داؤدؒ اور امام مسلمؒ نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے: الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ لاَ يَظْلِمُهُ وَلاَ يُسْلِمُهُ (مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ وہ جو داس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اسے ظلم کرنے والوں کے مقابلے میں بے یار و مدد گار چھوڑتا ہے۔) نیز رسول ﷺ کا فرمان ہے جسے امام احمدؒ اور امام بخاریؒ نے حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت کیا ہے: مَثَلُ الْمُؤْمِنِينَ فِي تَوَادِّهِمْ، وَتَرَاحُمِهِمْ، وَتَعَاطُفِهِمْ مَثَلُ الْجَسَدِ إِذَا اشْتَكَى مِنْهُ عُضْوٌ تَدَاعَى لَهُ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمَّى (مومنوں کی آپس کی باہمی محبت، نرمی اور شفقت کی مثال ایک جسم کی طرح ہے جب کسی ایک حصے کو تکلیف ہو تو پورا بدن بے آرام ہو جاتا ہے)۔

ان عام حقوق و فرائض کے علاوہ کچھ خاص حقوق بھی ہیں۔ معاشرے میں صاحب استطاعت لوگوں کا فرض ہے کہ محتاج اور ضرورت مند لوگوں کو ان کا حق دیں اور اس ضمن میں وہ نوجوانوں کو خصوصی اہمیت دیں، تاکہ یہ چیز نوجوانوں کو راہ راست پر قائم رکھنے اور بے راہ روی سے بچانے میں مدد و معاون ثابت ہو۔ ان میں سے چند اہم حقوق یہ ہیں:

۱۔ نجی ادارے نوجوانوں کو ملازمتیں اور کام کرنے کے ایسے مواقع فراہم کریں جو ان کی صلاحیت کے مطابق ہوں اور تنخواہ بھی مناسب ہو تاکہ بے روزگاری کا خاتمہ ہو سکے کیونکہ فراغت اور بے کاری سے افراد اور معاشرے میں بہت سے دینی، معاشرتی اور اخلاقی مفاسد جنم لیتے ہیں۔

Marfat.com

۲۔ صاحب حیثیت اور مال دار حضرات، ان نوجوانوں کی مدد کریں جو شادی کے اخراجات ادا کرنے سے قاصر ہوں، تاکہ ان کی نفسیاتی اور صنفی زندگی میں سکون واستحکام آئے اور وہ اپنی تمام صلاحیتوں کو ملکی ترقی میں صرف کریں۔

۳۔ افراد و معاشرے کے اندر مالی اور مادی توازن پیدا کرنے میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں اور رفاہی اور مفاد عامہ کے کاموں میں ہاتھ بٹائیں تاکہ ضرورت مندوں، ناداروں، بیواؤں اور یتیموں کی مدد ہو سکے۔ جن لوگوں کے پاس ضرورت سے زائد مال و دولت ہو، وہ ان کو دے دیں جن کے پاس کچھ بھی نہیں۔ رسول کریم ﷺ کا فرمان ہے جسے امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے سالم بن عبداللہؓ سے روایت کیا ہے: وَمَنْ كَانَ فِي حَاجَةِ أَخِيهِ كَانَ اللهُ فِي حَاجَتِهِ، وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً، فَرَّجَ اللهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرُبَاتِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ[1] (جو کوئی اپنے بھائی کی ضرورت کو پورا کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کی ضرورت کو پورا کرے گا اور جس نے مسلمان بھائی کے لیے آسانی پیدا کی تو اللہ تعالیٰ اس سے قیامت کے دن کی مصیبتوں میں ایک مصیبت ہٹا دے گا)۔

بزارؒ نے ایک حدیث نقل کی ہے (اگرچہ وہ سند کے لحاظ سے ضعیف ہے) اس میں اللہ کے رسول ﷺ کا فرمان یوں ہے: أَحَبُّ النَّاسِ إِلَى اللهِ تَعَالَى أَنْفَعُهُمْ لِلنَّاسِ (اللہ کے نزدیک پسندیدہ لوگ وہ ہیں جو لوگوں کو زیادہ فائدہ پہنچانے والے ہوں)۔

1 صحیح بخاری، کتاب المظالم والغصب، لا يظلم المسلم المسلم ولا يسلمه، حدیث ۲۴۴۲؛ صحیح مسلم، کتاب البر والصلة والآداب، باب تحریم الظلم، حدیث ۲۵۸۰

Marfat.com

٦۔ میڈیا

میڈیا کسی بھی قوم کا آئینہ ہے جس میں قومی تہذیب و ثقافت کا فروغ اور مخلص اہل وطن کی جدوجہد نمایاں طور پر دیکھی جاسکتی ہے۔ اس سے انکار ممکن نہیں کہ آج کی دنیا میں ذرائع نشرواشاعت یعنی میڈیا کا بہت بڑا کردار ہے۔ آج کل یہی وہ واحد ذریعہ ہے جس سے علم، ثقافت اور معلومات کا فروغ ہوتا ہے۔ میڈیا دودھاری تلوار ہے جسے مفید اور غیر مفید دونوں مقاصد کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ یہ کسی نظریے کی ترجمانی اور اس کی حقیقت تک رسائی میں بہت اہم کردار ادا کرتا ہے۔ اپنے نشری پروگراموں کے ذریعے جو دیکھے اور سنے جاتے ہیں جذبات کو ایک رخ اور توجہ کو اپنی طرف مبذول کرانے میں اس کا کردار بہت اہم اور مؤثر ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس کے مفید پہلو کو تلاش کیا جائے اور بہترین مہارت بروئے کار لا کر اسے مفید اور کارآمد امور کے لیے استعمال کیا جائے۔

اہل قلم اور میڈیا کے ماہرین سے یہی توقع ہے کہ وہ اپنی ذمہ داری کو پورے شعور کے ساتھ اور اچھے طریقے سے ادا کریں کیونکہ یہ لوگ اپنے ہر لفظ کے لیے جسے لکھا یا پڑھا جاتا ہے معاشرے کے سامنے جوابدہ ہیں۔ انہیں چاہیے کہ اپنے قلم اور زبان کو اسلام اور مسلمانوں کے مفاد کے لیے استعمال کریں۔ اسلام کے عدل و انصاف کے اصول، کریمانہ احکام اور لازوال قوانین جو آفاقی خصوصیات کے حامل ہیں اور جو ہر زمان و مکان کے لیے کارآمد ہیں، ان کے بارے میں آگاہی کو عام کریں تاکہ ان کے ذریعے حق اور سچائی کی روشنی پورے عالم میں پھیل جائے اور جہالت و مادّیت کے اندھیرے چھٹ جائیں۔ اس کے ذریعے جھوٹ اور بے راہ روی کا خاتمہ اور باطل کے پھیلائے ہوئے شکوک وشبہات کا ازالہ ہو۔

Marfat.com

یہ بات قابل ذکر ہے کہ گفتگو کا میٹھا اور موثر انداز تخاطب ہی وہ عوامل تھے جو صدر اول میں اسلامی دعوت کے پھیلنے کا باعث بنے۔ زبان اور گفتگو انسان کی خوش بختی کا باعث بھی بنتی ہے اور بعض اوقات بد نصیبی کا پیغام بھی لاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ﴾ [الحجر۱۵: ۹۴] (پس جو حکم آپ کو (اللہ کی طرف سے) ملا ہے وہ (لوگوں کو) سنا دیں اور مشرکوں کا (ذرا) خیال نہ کریں)۔

اس سلسلے میں ہمارے لیے صحیح بخاری کی وہ حدیث کافی ہے جو امام بخاریؒ نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کی ہے: إِنَّ العَبْدَ لَيَتَكَلَّمُ بِالكَلِمَةِ مِنْ رِضْوَانِ اللهِ، لاَ يُلْقِي لَهَا بَالًا، يَرْفَعُهُ اللهُ بِهَا دَرَجَاتٍ، وَإِنَّ العَبْدَ لَيَتَكَلَّمُ بِالكَلِمَةِ مِنْ سَخَطِ اللهِ، لاَ يُلْقِي لَهَا بَالًا، يَهْوِي بِهَا فِي جَهَنَّمَ[1] (بعض اوقات بندہ کسی بات کو معمولی سمجھتے ہوئے کوئی بات محض اللہ کی خوشنودی کے لیے کہہ دیتا ہے، مگر اللہ اس سے اس کے درجات بلند کر دیتا ہے، اسی طرح بسا اوقات بندہ اللہ کو ناراض کرنے والی کوئی بات معمولی سمجھتے ہوئے کہہ دیتا ہے، جو اسے جہنم میں گرا دیتی ہے)۔ امام ترمذیؒ کی روایت میں یوں ہے: إِنَّ الرَّجُلَ لَيَتَكَلَّمُ بِالكَلِمَةِ لَا يَرَى بِهَا بَأْسًا يَهْوِي بِهَا سَبْعِينَ خَرِيفًا فِي النَّارِ[2] (آدمی بعض اوقات ایک بات معمولی سمجھتے ہوئے کہہ دیتا ہے مگر وہ اسے ستر سال تک جہنم میں گرا دیتی ہے)۔

---

1 صحیح بخاری، كتاب الرقاق، باب حفظ اللسان، حدیث ۶۴۷۸

2 سنن ترمذی، أبواب الزهد، باب فيمن تكلم بكلمة يضحك بها الناس، حدیث ۲۳۱۴

Marfat.com

زبان سے ادا ہونے والا لفظ دُور رس اثرات کا حامل ہوتا ہے۔ اللہ نے فرمایا: ﴿أَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ أَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ تُؤْتِي أُكُلَهَا كُلَّ حِينٍ بِإِذْنِ رَبِّهَا وَيَضْرِبُ اللهُ الْأَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ﴾ [ابراہیم ۱۴: ۲۴-۲۵] (کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ نے پاک بات کی کیسی مثال بیان فرمائی ہے (وہ ایسی ہے) جیسے پاکیزہ درخت جس کی جڑ مضبوط (یعنی زمین کو پکڑے ہوئے) ہو اور شاخیں آسمان میں اپنے پروردگار کے حکم سے ہر وقت پھل لاتا (اور میوے دیتا) ہو۔ اور اللہ لوگوں کے لیے مثالیں بیان فرماتا ہے تاکہ وہ نصیحت پکڑیں)۔

یہ تب ہوگا جب ابلاغ کا اسلوب مؤثر ہو۔ کلام کے الفاظ میں کوئی ابہام اور ہیر اپھیری نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيثَةٍ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْأَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ يُثَبِّتُ اللهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ وَيُضِلُّ اللهُ الظَّالِمِينَ وَيَفْعَلُ اللهُ مَا يَشَاءُ﴾ [ابراہیم ۱۴: ۲۶-۲۷] (اور ناپاک بات کی مثال ناپاک درخت کی سی ہے (نہ جڑ مستحکم نہ شاخیں بلند) زمین کے اوپر ہی سے اکھیڑ کر پھینک دیا جائے گا اس کو ذرا بھی قرار (وثبات) نہیں خدا مومنوں (کے دلوں) کو (صحیح اور) پکی بات سے دنیا کی زندگی میں بھی مضبوط رکھتا ہے اور آخرت میں بھی (رکھے گا) اور خدا بے انصافوں کو گمراہ کر دیتا ہے اور خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے)۔

Marfat.com

رسول کریم ﷺ نے فرمایا: إِنَّ العَبْدَ لَيَتَكَلَّمُ بِالكَلِمَةِ مِنْ رِضْوَانِ اللهِ، لاَ يُلْقِي لَهَا بَالًا، يَرْفَعُهُ اللهُ بِهَا دَرَجَاتٍ [1] (ایک آدمی اللہ کی رضامندی کے لیے بلا جھجک بات کرتا ہو تو اللہ اس کے ذریعے سے اس کے درجات بلند کر دیتے ہیں) بلاشبہ امت مسلمہ ایک رفیع الشان اور ایک اعلیٰ منصب و ذمہ داری کی حامل امت ہے۔ یہ تمام امتوں میں سے بہترین امت ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ [آل عمران ۳: ۱۱۰] ((مومنو) جتنی امتیں (یعنی قومیں) لوگوں میں پیدا ہوئیں تم ان سب سے بہتر ہو کہ نیک کام کرنے کہتے ہو اور برے کاموں سے منع کرتے ہو)۔

ایک ایسی امت جو اتنے اعلیٰ منصب پر فائز ہو، ضروری ہے کہ اس کا ایک اپنا میڈیا ہو جو امت کے مقصدِ وجود کو ابھارنے میں ممد و معاون ہو اور مختلف مواقع پر اس کے راہنما کردار کو اجاگر کرے۔ اسے مضبوط بنیادوں پر استوار کرے اور دشمنان دین و ملت کو خوف زدہ اور مرعوب کرے۔ ذرائع ابلاغ کے افراد کو امت کے اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے درج ذیل امور کا لحاظ کرنا چاہیے:

ا۔ ایک متوازن انسانی شخصیت بنانے کے لیے کام کریں اور ایسے پروگرام ترتیب دیں جو شخصیت کی تعمیر کریں نہ کہ اسے مسخ کریں۔

---

1 صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب حفظ اللسان، حدیث ۶۴۷۸

Marfat.com

۲۔ شریعت اسلامی کی بالادستی کی دعوت دیں اور بتائیں کہ یہ شریعت ہر زمان و مکان کے لیے قابل عمل ہے۔ ہر ایسے گمراہ نظریے، منحرف رویے اور باطل موقف کے خلاف جدوجہد کریں جو شریعت سے متصادم ہو یا شریعت کی چھتری کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرنا چاہتا ہو۔

۳۔ صحیح اسلامی عقیدے کو لوگوں کے دلوں میں جاگزیں کریں اور انہیں نیک اخلاق اور اصل اسلامی روایات پر عمل پیرا ہونے کی دعوت دیں۔

۴۔ امت مسلمہ کے علمی و تہذیبی ورثے اور مقدس مقامات کے بارے میں آگاہی فراہم کریں اور مسلم علما اور قائدین کی مخلصانہ و تعمیری کوششوں اور کردار کو اجاگر کریں۔

۵۔ مسلمانوں کے اتفاق و اتحاد، معاشرے کے اندر ربط و ضبط اور حکمران اور رعایا کے درمیان تعلقات کے استحکام کے لیے اپنا کردار ادا کریں۔

۶۔ لوگوں کے دلوں میں امید پیدا کریں اور ان کا اعتماد بحال کریں اور بتائیں کہ اس دین اور اس کے پیروکاروں کا مستقبل روشن ہے اور ہر قسم کی ناامیدی، تقلید اور شکست خوردگی کو جڑ سے اکھاڑ پھینکیں۔

۷۔ معاشرے کی وحدت و استحکام کا تحفظ کریں۔ اس کو صحت مند رکھنے کی کوشش کریں اور افرادِ معاشرہ کے کردار کی اصلاح پر توجہ دیں۔

۸۔ ایک کامیاب داعی کے طور پر سامنے آئیں اور معاشرتی مشکلات اور اخلاقی جرائم، جیسے منشیات، چوری اور دیگر مہلک بیماریوں کا تشخیص کے بعد مؤثر علاج تجویز کریں۔

۹۔ مفید علم اور نیک عمل کی ترویج کا ذریعہ بنیں۔ مفید اور کارآمد نئی چیزوں اور امور کو علوم و فنون کے میدانوں میں تلاش کریں اور پوری چھان بین کے بعد اس کی اشاعت کریں۔

Marfat.com

۱۰۔ معاشرے کو پاکیزہ تفریح مہیا کریں اور سفلی جذبات کو ابھارنے والے امور سے لوگوں کو دور رکھیں۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ شریعت کی حدود میں رہ کر ایسی تفریح کی ممانعت جو آدمی کے سفر حیات کو آسان اور پر کیف بنانے میں مدد و معاون ثابت ہو اور ہر قسم کے ناشائستہ اطوار سے بچانے میں مددگار ہو، محنت اور جہد مسلسل پر میں مددگار ہو، وطن سے محبت کا جذبہ اجاگر کرے۔ اس قسم کی تفریح پسندیدہ ہے، تاہم جو تفریح بد اخلاقی، ناشائستگی اور لوگوں کی کردار کشی کا باعث بنتی ہو تو وہ ناپسندیدہ ہے۔

۱۱۔ دین کے نام نہاد علمبرداروں کی طرف سے دین کے نام پر جو گمراہ کن انفرادی واقعات اور غلط حرکات ہو رہی ہیں انہیں بنیاد بنا کر دین کے حقیقی پیروکاروں کو نشانہ نہ بنایا جائے۔ اس بنا پر دینی تعلیمات پر پوری طرح عمل پیرا ہونے والوں کے خلاف غیر اخلاقی اور ناشائستہ زبان استعمال نہ کی جائے۔ جس نے غلط حرکت کی ہے صرف اسے مورد الزام ٹھہرایا جائے اور صرف غلط کام کو ہی غلط کہا جائے۔ دین پر عمل کرنے والوں کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ کسی ایک کی غلطی یا غیر اخلاقی حرکت پر دوسرے کو مطعون ٹھہرائیں۔

اگر ہم نے ان اصول و مقاصد کے حصول کے لیے کام شروع کر دیا اور اس کے مطابق اپنے نوجوانوں کی تربیت کر دی تو اللہ کی مدد سے ہم میڈیا کی یلغار کے خلاف اس نوجوان نسل کے معاون ثابت ہوں گے۔ میڈیا چوبیس گھنٹے اپنی زہر آلود نشریات کے ذریعے نوجوان نسل کو نشانہ بنائے ہوئے ہے تاکہ ان کے حوصلے پست ہوں، ان کی صلاحیتیں کمزور پڑ جائیں، ان کے اخلاق بگڑ جائیں، ان کا وقت ضائع ہو اور یہ راہ راست سے ہٹ جائیں۔

Marfat.com

۷۔ ذکر و دعا

راہ راست پر قائم رہنے کا ایک اہم ذریعہ دعا ہے۔ دعا اللہ کو یاد کرنے، اس سے مانگنے، اس کی طرف جھکنے، اللہ کا قرب حاصل کرنے اور عاجزی و انکساری کا نام ہے۔ دعا عبادت بھی ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث سے ثابت ہے جسے امام ابوداؤد اور امام ترمذی نے حضرت نعمان بن بشیرؓ سے روایت کیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: الدُّعَاءُ هُوَ العِبَادَةُ ثُمَّ قَرَأَ ﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ﴾[1] [المؤمن ۴۰: ۶۰] (دعا عبادت ہے پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: اور تمہارے پروردگار نے کہا ہے کہ تم مجھ سے دعا کرو میں تمہاری (دعا) قبول کروں گا۔ جو لوگ میری عبادت سے ازراہ تکبر کتراتے ہیں، عنقریب جہنم میں ذلیل ہو کر داخل ہوں گے)۔

دعا سے اہل ایمان کے دل معطر ہوتے ہیں اور یہ ان کے سینوں کے مختلف امراض، غموں اور کدورتوں کے لیے شفا ہے۔ یہ نیک کاموں میں ایک بڑا نیک کام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو صبح و شام کثرت سے ذکر کرنے کی تلقین فرمائی ہے تاکہ انہیں اس ذکر کی بدولت فضیلت حاصل ہو اور یہ ذکر ان کی ہدایت، حفاظت اور اعمال و اقوال کی درستگی کا ذریعہ بنے۔ اللہ پاک کا فرمان ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا

1 سنن ترمذی، أبواب تفسير القرآن، باب: ومن سورة المؤمن، حدیث ۳۲۴۷

Marfat.com

وَسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا﴾ [الاحزاب ۳۳: ۴۱-۴۲] (اے اہل ایمان اللہ کا بہت ذکر کیا کرو اور صبح شام اس کی پاکی بیان کرتے رہو)۔

امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے ابو ہریرہؓ سے ایک مرفوع حدیث میں نقل کیا ہے فرمایا: إِنَّ اللهَ يَقُولُ أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي وَأَنَا مَعَهُ إِذَا دَعَانِي[1] (اللہ فرماتے ہیں: میرا بندہ میرے بارے میں جو گمان رکھتا ہے میں اس گمان کے مطابق (سلوک کرتا) ہوں اور میں اس کے پاس ہوتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے)۔ ایک اور حدیث قدسی ہے جسے امام مسلم نے حضرت ابو ذرؓ سے نقل کیا ہے کہ نبی ﷺ اپنے رب سے روایت کرتے ہیں: يَا عِبَادِي كُلُّكُمْ ضَالٌّ إِلَّا مَنْ هَدَيْتُهُ، فَاسْتَهْدُونِي أَهْدِكُمْ (اے میرے بندو! تم سب گمراہ ہو مگر جس کو میں ہدایت دوں پس تم مجھ سے ہدایت کی دعا مانگو میں تمہیں ہدایت دوں گا)۔

ابن حبانؒ اور حاکمؒ نے ایک اور صحیح حدیث میں حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے: لَا تَعْجِزُوا فِي الدُّعَاءِ فَإِنَّهُ لَا يَهْلِكُ مَعَ الدُّعَاءِ أَحَدٌ[2] (دعا مانگنے میں کمزوری مت دکھاؤ بے شک کوئی بھی شخص دعا کے ہوتے ہوئے ہلاک نہیں ہو گا)۔

نبی کریم ﷺ نے ہدایت فرمائی کہ فرصت کے اوقات کو غنیمت جانتے ہوئے انہیں ذکر و اذکار اور دعاؤں میں صرف کریں، کیونکہ بغیر مقصد کے وقت ضائع کرنے والے، اللہ سے نہ مانگنے والے، اس سے سرگوشی نہ کرنے والے اور آسمان و زمین کے خالق کے سامنے عاجزی

---

1 صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء ۔۔۔۔۔۔۔، باب فضل الذکر والدعاء ۔۔۔، حدیث ۲۷۳۰

2 المستدرک علی الصحیحین، کتاب الدعاء، والتکبیر، والتهلیل، والتسبیح والذکر، حدیث ۱۸۱۸

Marfat.com

نہ کرنے والے آخر کار حسرت وپشیمانی کا ہاتھ ملیں گے۔ اللہ کا ذکر دلوں کو روشن کر دیتا ہے اور انسان سے غم اور پریشانی دور ہو جاتی ہے۔ ذکر کرنے والے کی نظر میں دنیا حقیر اور آخرت قیمتی بن جاتی ہے جس سے وہ سیدھے راستے پر آجاتا ہے اور اللہ کے قریب ہو جاتا ہے۔ ذکر خالق اور مخلوق کے درمیان تعلق کا نام ہے اور بندے اور رب کے درمیان مضبوط رابطے کا ذریعہ ہے۔

آپ ﷺ نے ایک حدیث میں جسے امام احمد نے صحیح سند کے ساتھ نقل کیا، فرمایا ہے: مَا مِنْ قَوْمٍ جَلَسُوا مَجْلِسًا لَمْ يَذْكُرُوا اللهَ فِيهِ، إِلَّا رَأَوْهُ حَسْرَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ[1] (وہ لوگ جو کسی ایسی مجلس میں بیٹھیں جس میں اللہ کا ذکر نہ ہو تو قیامت کے دن انہیں ندامت کے سوا کچھ بھی حاصل نہیں ہو گا)۔ ابو نعیم کے الفاظ ہیں: مَا مِنْ سَاعَةٍ تَمُرُّ بِابْنِ آدَمَ لَمْ يَكُنْ ذَاكِرًا اللهَ فِيهَا بِخَيْرٍ إِلَّا خَسِرَ عِنْدَهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ (ہر ایسا لمحہ جو انسان سے بغیر اللہ کے ذکر کے گزر جائے تو وہ قیامت کے دن اس گزرے ہوئے لمحے کا افسوس کرے گا)۔ ایک اور روایت میں ہے: أن كل نفس تخرج من الدنيا عطشا الا ذاكر الله عزوجل (ہر انسان دنیا سے پیاس کی حالت میں جاتا ہے مگر اللہ کا ذکر کرنے والا ایسا نہیں ہوتا)۔

حضرت معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں: لَيْسَ يَتَحَسَّرُ أَهْلُ الْجَنَّةِ إِلاَّ عَلَى سَاعَةٍ مَرَّتْ بِهِمْ لَمْ يَذْكُرُوا اللهَ فِيهَا[2] (جنت والے دنیا کی کسی چیز کا افسوس نہیں کریں گے مگر اس وقت پر افسوس کریں گے جو اللہ کی یاد کے بغیر گزرا ہو گا)۔ بندوں کے دل رحمٰن کی دونوں انگلیوں

---

1 مسند امام احمد بن حنبل، مسند عبد الله بن عمرو بن العاص رضي الله عنهما، حدیث ۷۰۹۳

2 طبرانی، المعجم الكبير، ۲۰: ۹۳

Marfat.com

کے درمیان ایک دل کی طرح ہیں وہ جدھر چاہے اسے پھیر دے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کثرت کے ساتھ یہ دعا کیا کرتے تھے: يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ ثَبِّتْ قَلْبِي عَلَى دِينِكَ [1] (اے دلوں کو پھیرنے والے، میرے دل کو اپنے دین پر پختہ رکھ)۔

مسلمان کو چاہیے کہ وہ ہمیشہ دین، ہدایت اور حق پر ثابت قدمی اور خیر و بھلائی کی دعا کرے اور خود فریبی میں مبتلا نہ ہو اور قرآن کی اس دعا کا بکثرت اہتمام کرے: ﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا﴾ [آل عمران ۳: ۸] (اے پروردگار جب تو نے ہمیں ہدایت بخشی ہے تو اس کے بعد ہمارے دلوں میں کجی نہ پیدا کر دے) اور یہ دعا بھی: ﴿رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا﴾ [البقرة ۲: ۲۵۰] (اے پروردگار ہم پر صبر کے دہانے کھول دے اور ہمیں (لڑائی میں) ثابت قدم رکھ)۔ اللہ کے ذکر میں دنیا اور آخرت دونوں کی بھلائی ہے اور یہ ذکر زندگی کی سختیوں میں مددگار اور عبادت و اطاعت کے حصول میں معاون ثابت ہوتا ہے۔

ایک شخص نے رسول اکرم ﷺ سے اسلام کے بہت سارے احکام کو ادا کرنے کی مشقت کا شکوہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: لَا يَزَالُ لِسَانُكَ رَطْبًا مِنْ ذِكْرِ اللهِ [2] (اپنی زبان کو ہمیشہ اللہ کے ذکر سے تر رکھو)۔

---

1 سنن ترمذی، أبواب القدر، باب ما جاء أن القلوب بين أصبعي الرحمن، حديث ۲۱۴۰

2 سنن ترمذی، أبواب الدعوات، باب ما جاء في فضل الذكر، حديث ۳۳۷۵

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ ہی ہمارے لیے بہترین نمونہ اور پیشوا ہیں۔ ابن قیمؒ اپنی کتاب زاد المعاد میں لکھتے ہیں: رسول کریم ﷺ کا کامل اخلاق اللہ کا ذکر تھا، آپ ﷺ کی ہر بات میں اللہ کا ذکر ہوتا تھا۔ آپ ﷺ کا امت کو کسی بات کا حکم دینا، کسی چیز سے منع کرنا اور شریعت کے تمام احکام بتانا یہ سب ذکر تھا۔ اللہ کے نام، اللہ کی صفات، افعال، احکام، اس کے عذاب سے ڈرانا اور اس کی طرف سے خوشخبریاں سنانا، یہ سب آپ کی طرف سے اللہ کا ذکر ہی تھا۔ اسی طرح اللہ سے مانگنا، دعا کرنا، اللہ کی طرف رجوع کرنا اور اللہ سے خوف کھانا یہ بھی ذکر تھا۔ آپ کی خاموشی بھی ذکر قلبی تھی۔ آپ ہمہ وقت اور تمام احوال میں اللہ کو یاد کرنے والے تھے۔ جب آپ کھڑے ہوتے تو سانس میں ذکر رواں رہتا۔ بیٹھتے، کروٹ بدلتے، پیدل چلتے یا سواری پر ہوتے، سفر میں ہوتے یا حضر میں، ہر وقت اللہ کے ذکر میں مشغول رہتے۔

اللہ کے ذکر کا میدان بہت وسیع ہے اور زندگی کے تمام پہلوؤں پر محیط ہے۔ انسان کو ہر حال میں اللہ کو یاد رکھنا چاہیے۔ یہ ذکر خاموشی کی حالت میں بھی ہو اور دوران گفتگو بھی، کھلے عام بھی ہو اور تنہائی میں بھی۔ دعا کے آداب اور شرائط کو بھی ان امور میں ملحوظ رکھنا چاہیے۔ اللہ تعالی کے ذکر سے دلوں کو اطمینان، سعادت مندی، خشیت اور کامیابی ملتی ہے۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُهُم بِذِكْرِ اللَّهِ أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ﴾ [الرعد ۱۳: ۲۸] ((یعنی) جو لوگ ایمان لائے اور جن کے دل یادِ خدا سے آرام پاتے ہیں (ان کو) اور سن رکھو کہ خدا کی یاد سے دل آرام پاتے ہیں)۔ اللہ کا فرمان ہے: ﴿وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ [الجمعۃ ۶۲: ۱۰] (اور اللہ کو بہت بہت یاد کرتے رہو تا کہ نجات پاؤ)۔

Marfat.com

سچے مسلمان پر جب کوئی مصیبت آتی ہے یا وہ کسی تنگی سے دوچار ہوتا ہے تو فوراً اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے اور اسے یاد کرتا ہے۔ امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ مصیبت کے وقت فرمایا کرتے تھے: لاَ إِلَهَ إِلَّا اللهُ العَظِيمُ الحَلِيمُ، لاَ إِلَهَ إِلَّا اللهُ رَبُّ العَرْشِ العَظِيمِ، لاَ إِلَهَ إِلَّا اللهُ رَبُّ السَّمَوَاتِ وَرَبُّ الأَرْضِ، وَرَبُّ العَرْشِ الكَرِيمِ [1] امام طبریؒ نے لکھا ہے کہ ہمارے اسلاف یہ دعا مانگا کرتے تھے اور اسے مصیبت کے وقت کی دعا کہا کرتے تھے۔ ابن عیینہ کہتے ہیں جب ان سے اس دعا کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے جواب میں فرمایا: کیا آپ کو علم نہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: إِذَا شَغَلَ عَبْدِي ثَنَاؤُهُ عَلَيَّ عَنْ مَسْأَلَتِي، أَعْطَيْتُهُ أَفْضَلَ مَا أُعْطِي السَّائِلِينَ (جب میرا بندہ میری حمد و ثنا کی وجہ سے مانگ نہ سکے، تو میں اس کو مانگنے والوں سے بہتر عطا کروں گا)۔ پھر یہ بات بھی معلوم ہونی چاہیے کہ اللہ کے ذکر کے نتائج بہت اچھے ہیں اور اللہ کی طرف سے ذکر کرنے والوں کے لیے بہت سے انعامات ہیں۔

امام مسلمؒ نے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: مَنْ قَالَ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، فِي يَوْمٍ مِائَةَ مَرَّةٍ، كَانَتْ لَهُ عَدْلَ عَشْرِ رِقَابٍ، وَكُتِبَتْ لَهُ مِائَةُ حَسَنَةٍ وَمُحِيَتْ عَنْهُ مِائَةُ سَيِّئَةٍ، وَكَانَتْ لَهُ حِرْزًا مِنَ الشَّيْطَانِ، يَوْمَهُ ذَلِكَ، حَتَّى يُمْسِيَ وَلَمْ يَأْتِ أَحَدٌ أَفْضَلَ مِمَّا

1 صحیح بخاری، کتاب الدعوات، باب الدعاء عند الکرب، حدیث ۶۳۴۶؛ صحیح مسلم، کتاب الذکر والدعاء ۔۔۔، باب دعاء الکرب، حدیث ۲۷۳۰

Marfat.com

جَاءَ بِهِ إِلَّا أَحَدٌ عَمِلَ أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ، وَمَنْ قَالَ: سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهِ، فِي يَوْمٍ مِائَةَ مَرَّةٍ حُطَّتْ خَطَايَاهُ وَلَوْ كَانَتْ مِثْلَ زَبَدِ الْبَحْرِ[1] (دن میں سو مرتبہ یہ دعا پڑھیں: اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کی بادشاہی ہے اور سب تعریفیں اسی کے لیے ہیں اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اسے دس غلاموں کو آزاد کرنے کا ثواب ملے گا، سو نیکیاں لکھی جائیں گی اور اس کے سو گناہ مٹا دیے جائیں گے اور اللہ کی طرف سے اس دن کی شام تک شیطان سے حفاظت کی جائے گی، اس جیسا بہتر کام کسی کا نہیں ہو گا، ہاں مگر اس شخص کا جس نے اس سے زیادہ عمل کا مظاہرہ کیا اور جس نے دن میں سو مرتبہ سبحان اللہ وبحمدہ کہا، اللہ اس کے گناہوں کو معاف فرما دے گا اگرچہ وہ گناہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں)۔

جب انسان کو مختلف تکالیف، مصائب اور فتنوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور اس کو اس کے اللہ کے ذکر کرنے اور راہ راست پر چلنے سے رکاوٹیں پیش آتی ہیں تو شیطان بھی انسان کا بدترین دشمن ہے اور وہ ہر لمحے تاک میں رہتا ہے۔ وہ غفلت اور جہالت سے اللہ کے ذکر سے روکتا ہے۔ شیطان انسان کو اللہ کے ذکر سے، عبادت سے اور سیدھے راستے پر چلنے سے منع کرنے کا سب سے بڑا سبب ہے۔ اس لیے ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ اس کو بھگانے اور اس سے نجات حاصل کرنے کے لیے ذکر و دعا کی کثرت کریں۔ اللہ کا فرمان ہے: ﴿وَإِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللهِ إِنَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُمْ مُبْصِرُونَ﴾ [الاعراف۷: ۲۰۰-۲۰۱] (اور اگر شیطان کی طرف سے

---

1 صحیح مسلم، كتاب الذكر والدعاء والتوبة والاستغفار، باب فضل التهليل ----، حدیث۲۶۹۱

Marfat.com

تمہارے دل میں کسی طرح کا وسوسہ پیدا ہو تو اللہ سے پناہ مانگو۔ بے شک وہ سننے والا (اور) سب کچھ جاننے والا ہے جو لوگ پرہیز گار ہیں جب ان کو شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ پیدا ہوتا ہے تو چونک پڑتے ہیں اور (دل کی آنکھیں کھول کر) دیکھنے لگتے ہیں)۔

حضرت ابن عباسؓ نے اپنی تفسیر میں ﴿مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ﴾ [الناس ۱۱۴: ۴] ((شیطان) وسوسہ انداز کی برائی سے جو (خدا کا نام سن کر) پیچھے ہٹ جاتا ہے) کی تفسیر یوں بیان کی ہے: اَلْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ سے مراد شیطان ہے جو بنی آدم کے دل پر بیٹھ جاتا ہے۔ جب وہ غفلت اور لاپرواہی کا شکار ہو تو شیطان وسوسے ڈالتا ہے اور جب وہ اللہ کا ذکر کرنے لگ جاتا ہے تو شیطان چھپ جاتا ہے۔

امام ترمذیؒ نے روایت کیا ہے کہ رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں: وَآمُرُكُمْ أَنْ تَذْكُرُوا اللهَ فَإِنَّ مَثَلَ ذَلِكَ كَمَثَلِ رَجُلٍ خَرَجَ العَدُوُّ فِي أَثَرِهِ سِرَاعًا حَتَّى إِذَا أَتَى عَلَى حِصْنٍ حَصِينٍ فَأَحْرَزَ نَفْسَهُ مِنْهُمْ، كَذَلِكَ العَبْدُ لَا يُحْرِزُ نَفْسَهُ مِنَ الشَّيْطَانِ إِلَّا بِذِكْرِ اللهِ[1] (اللہ نے تمہیں حکم دیا ہے کہ تم اس کو یاد کرو کیونکہ اللہ کے ذکر کرنے والے کی مثال اس شخص کی سی ہے جس کے پیچھے دشمن تیزی سے لگا ہوا ہو لیکن جب وہ ایک محفوظ قلعے میں داخل ہو جائے گا تو اپنے آپ کو دشمن سے بچا لے گا۔ اسی طرح بندہ شیطان سے نہیں بچ سکتا مگر اللہ کے ذکر سے)۔

---

1 سنن ترمذی، أبواب الأمثال، باب ما جاء في مثل الصلاة والصيام والصدقة، حديث ۲۸۶۳

Marfat.com

ذکر دل کے اندھیروں کو ختم کرتا ہے، شیطان کو بھگاتا ہے اور اس کی چالوں کا توڑ کرتا ہے۔ دل کے تفکرات کو دور کرتا ہے اور اطمینان و راحت مہیا کرتا ہے۔ ذکر کرنے والے کو فرشتے گھیر لیتے ہیں اور اللہ کی رحمت اس کو ڈھانپ لیتی ہے اور اللہ ان کو لطف و کرم کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

دعا کا حقیقی مقصد کیسے حاصل ہو؟ وہ کس طرح تیر بہ ہدف بنتی ہے اور اللہ کے اس قول کا مصداق بن جاتی ہے: ﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ﴾ [البقرة۲: ۱۸۶] (اور (اے پیغمبر) جب تم سے میرے بندے میرے بارے میں دریافت کریں تو (کہہ دو کہ) میں تو (تمہارے) پاس ہوں جب کوئی پکارنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں تو ان کو چاہیے کہ میرے حکموں کو مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں تاکہ نیک رستہ پائیں)، اوس سلسلے میں دعا کے کچھ آداب ہیں جو درج ذیل ہیں:

۱۔ دعا مانگتے وقت دل اللہ کی طرف متوجہ ہو۔ غافل اور لاپرواہ ہو کر دعا نہ کرے۔ امام احمد بن حنبلؒ نے عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: فَإِنَّ اللهَ لَا يَسْتَجِيبُ لِعَبْدٍ دَعَاهُ عَنْ ظَهْرِ قَلْبٍ غَافِلٍ [1] (اللہ تعالیٰ اس بندے کی دعا کو قبول نہیں کرتے جو غفلت اور لاپرواہی سے دعا مانگے)۔

---

1 مسند احمد، مسند عبد اللہ بن عمرو بن العاص، حدیث ۶۶۵۵

Marfat.com

۲۔ قبلہ رخ ہو کر دعا کی جائے، اس سے دعا کی قبولیت کا امکان بڑھ جاتا ہے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اکثر ایسا ہی کیا ہے۔

۳۔ اللہ سے دعا مانگتے وقت اس کی ابتدا اللہ کی حمد وثنا اور نبی کریم ﷺ پر درود وسلام سے کی جائے۔

۴۔ اللہ کے سامنے اپنی عاجزی وانکساری اور کمزوری کا اظہار کرے، اللہ کی عظمت، بلندی جود وسخا اپنے سامنے رکھے۔ مانگنے والے کو چاہیے کہ وہ انتہائی انکساری کے ساتھ دعا کرے، حد درجہ متواضع ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ﴾ [الاعراف۷: ۵۵] ((لوگو) اپنے پروردگار سے عاجزی سے اور چپکے چپکے دعائیں مانگا کرو۔ وہ حد سے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتا)۔

۵۔ فضیلت والے اوقات کا چناؤ اور مبارک مقامات کا انتخاب کرے جیسا کہ رات کا آخری حصہ، فرض نماز کے بعد، اذان واقامت کے درمیان کا وقت، سجدے اور روزے کی حالت میں۔

۶۔ دعا کرنے والے کو چاہیے کہ وہ یقین سے دعا کرے اور وہ قبولیت کے حوالے سے پرامید ہو۔ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: لَا يَقُولَنَّ أَحَدُكُمُ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي إِنْ شِئْتَ، اللَّهُمَّ ارْحَمْنِي إِنْ شِئْتَ، لِيَعْزِمِ الْمَسْأَلَةَ، فَإِنَّهُ لَا مُكْرِهَ لَهُ[1] (کوئی دعا میں یہ نہ کہے اے اللہ اگر تو چاہے تو مجھے بخش دے، اگر تو چاہے تو میرے اوپر رحم کر، بلکہ سوال میں عزم ویقین کا اظہار کرے کیونکہ اللہ پر کسی کا دباؤ نہیں ہے)۔

1 صحیح بخاری، کتاب الدعوات، باب ليعزم المسألة، فإنه لا مكره له، حدیث ۶۳۳۹

Marfat.com

۷۔ دعا مانگنے والا دعا کی قبولیت میں جلد بازی کا مظاہرہ نہ کرے اور یہ نہ کہے کہ میں نے دعا کی اور قبول نہیں ہوئی۔ حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: يُسْتَجَابُ لِأَحَدِكُمْ مَا لَمْ يَعْجَلْ، يَقُولُ: دَعَوْتُ فَلَمْ يُسْتَجَبْ لِي[1] (تمہاری دعائیں شرف قبولیت پائیں گی جب تک کہ جلد بازی نہ کی جائے کہ دعا مانگنے والا کہے کہ میں نے بہت دعائیں کیں لیکن وہ قبول نہیں ہوئیں)۔

۸۔ دعا کرتے وقت ان دعاؤں کا اہتمام کرے جو قرآن و حدیث سے ثابت ہیں، کیونکہ ان دعاؤں میں دنیا اور آخرت دونوں کی بھلائی ہے۔ دعا میں حدود سے تجاوز نہ کرے جیسے نافرمانی اور قطع رحمی کی دعا کرنا۔

جو ان آداب کا لحاظ کرتے ہوئے دعا مانگے گا ہے اس کی دعا کو شرف قبولیت ضرور ملے گا اور اللہ تعالیٰ اس کو دین میں راست روی (استقامت) کی توفیق دے گا۔

1 صحیح بخاری، کتاب الدعوات، باب یستجاب للعبد ما لم یعجل، حدیث ٦٣٤٠

Marfat.com

خاتمہ

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس کے فضل و کرم سے نیکی کے تمام امور انجام پاتے ہیں۔ درود وسلام ہو رسولوں کے سردار حضرت محمد ﷺ اور آپ کے آل واصحاب پر۔

یہ میرے دلی احساسات اور وجدانی کیفیات ہیں جو برجستہ نوک قلم پر آگئے۔ ثقافتی و تمدنی ضروریات بھی اس تحریر کا باعث بنیں۔ میں نے اپنے دل کی آواز پر لبیک کہی ہے تاکہ میں اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو سکوں اور کتمان علم کا مرتکب نہ قرار پاؤں۔ میں نے جو کچھ لکھا ہے ہوسکتا ہے یہ مفید ہو اور دینی کتابوں میں ایک اچھا اضافہ۔ میرے لیے یہ کافی ہے کہ میں نے جویائے حق کے طور پر اپنی بھرپور کوشش کی ہے، اگر میں اس میں کامیاب ہوں تو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، میں اسی کا شکر ادا کرتا ہوں اور اسی کا ثناخواں ہوں، اگر کہیں میں نے غلطی کی ہے تو یہ میری ہی کوتاہی کا نتیجہ ہے، اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول اس سے مبرّا ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے میری دعا ہے کہ مجھے نیک اور سیدھی راہ پر چلائے اور قول، فعل، عمل اور عقیدہ میں اخلاص نصیب فرمائے۔ آمین!

اس تحریر کے اختتام پر میں وہی درخواست دہراتا ہوں جو میں نے ابتدا میں کی تھی کہ اللہ سے ڈریں اور سلف صالح کے عقیدے پر سختی سے عمل کرتے ہوئے قرآن و سنت کے دامن کو مضبوطی سے تھام لیں۔

میں چاہتا ہوں کہ یہ یاددہانی بھی کرادوں کہ آج کل ہم جس زمانے میں رہ رہے ہیں اس میں گوناگوں فتنے، مختلف نظریات اور فرقہ وارانہ خیالات عروج پر ہیں۔ یہ گمراہ کن نظریات و خیالات بظاہر خوش نما اور دل فریب ہیں لیکن ان کا اندرون انتہائی تاریک اور بھیانک ہے۔ تہذیبوں اور ثقافتوں کے باہمی ربط وملاپ نے ہمارے معاشرے کے لیے کئی قباحتوں کو جنم دیا

Marfat.com

ہے جن میں سب سے خطرناک امر گمراہ کن ثقافتوں کا تسلط اور منحرف نظریات کا پھیلاؤ ہے جن میں سے کچھ ہمارے معاشرے میں بھی منتقل ہو گئے ہیں اور ہمارا نوجوان طبقہ ان کے گمراہ کن اثرات سے دوچار ہے۔ چنانچہ ہم پر فرض عائد ہوتا ہے کہ ہم جرأت و اعتماد کے ساتھ ان کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں تاکہ ہمارے ملکوں میں ان کے گھس آنے کا کوئی راستہ کھلا نہ رہے، ورنہ یہ گمراہ کن نظریات ہمیں بھی بگاڑ دیں گے اور نوجوان نسل کو بھی برباد کر دیں گے، اور ہمارے معاشرے کی باہمی وحدت و یگانگت اور استحکام کمزور پڑ جائے گا۔

ہمیں بیرونی اور پراگندہ خیالات و نظریات سے محتاط رہنا چاہیے۔ ضروری ہے کہ اس طرح کے خیالات کو ہم پہلے شریعت کی میزان میں تولیں۔ اس سیل تُندخُو کا ساتھ نہ دیں ورنہ یہ ہمیں بہالے جائے گا۔ دین کے نام پر ہر بلانے والے کے پیچھے نہیں چلنا چاہیے، خاص طور پر کم سن، کم علم، شورش پسند نوجوانوں سے ہمیں دُور رہنا چاہیے۔

ہمیں اپنے حکمرانوں کی اطاعت ضرور کرنی چاہیے، کیونکہ ان کی اطاعت میں اللہ کی اطاعت ہے جس کا حکم ہمیں دیا گیا ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ﴾ [النساء۴: ۵۹] (مومنو! اللہ اور اس کے رسول کی فرمان برداری کرو اور جو تم میں سے صاحب حکومت ہیں ان کی بھی) تو اولی الامر کی اطاعت اللہ اور رسول کے بعد دینی تقاضوں میں سے ہے اور نیک بندوں کا طریقہ ہے۔

جلیل القدر صحابی حضرت عبادہ بن صامت ؓ فرماتے ہیں: بَايَعنا عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ، فِي مَنْشَطِنَا وَمَكْرَهِنَا، وَعُسْرِنَا وَيُسْرِنَا وَأَثَرَة عَلَيْنَا، وَأَنْ لاَ نُنَازِعَ الأَمْرَ أَهْلَهُ، إِلَّا

Marfat.com

أَنْ تَرَوْا كُفْرًا بَوَاحًا، عِنْدَكُمْ مِنَ اللهِ فِيهِ بُرْهَانٌ[1] (ہم نے رسول کریم ﷺ کے دست مبارک پر پسند اور ناپسند، تنگی اور فراخی میں اور غربت و فراوانی میں بھی آپ کی بات سننے اور اطاعت کرنے کی بیعت کی اگرچہ ہمیں نظر انداز ہی کیوں نہ کیا جارہا ہو اور یہ کہ حکمرانوں سے اقتدار کے حوالے سے جھگڑا نہیں کریں گے الا یہ کہ ان کے ہاں تمہیں واضح طور پر کفر نظر آئے جس کے بارے میں تمہارے پاس اللہ کی طرف سے کوئی دلیل ہو)۔

ہمیں چاہیے کہ ہم سیدھے راستے پر چلیں جس کا تعین اللہ کی کتاب اور رسول ﷺ کی سنت نے کیا ہے اور جس پر ہمارے اسلاف چلتے رہے اور یہ بابرکت مملکت بھی اس کا تسلسل ہے اس کے حکمرانوں اور علمائے کرام نے اسی راستے کو اختیار کیا ہے اور قول و فعل سے اس کے تقاضوں کو پورا کیا ہے اور اس کی طرف دعوت بھی دی ہے۔

اسی میں سلامتی اور دنیا و آخرت کی فوز و فلاح مضمر ہے۔ ہمیں چاہیے کہ اس وطن عزیز کے عقیدے، اقدار اور وحدت و یگانگت کے تحفظ کے لیے کام کریں تاکہ یہ مضبوط، طاقت ور، پرامن، باوقار، مستحکم، مسلمانوں کے مقدس مقامات کا محافظ اور دین کے دشمنوں کی سرکوبی کے لیے ننگی تلوار ثابت ہو۔ حق و انصاف اور امن و سلامتی کی دعوت دینے والا ہو اور اس پر فتنے اور حوادث زمانہ اثر انداز نہ ہو سکیں۔ اللہ ہی سے ہم مدد مانگتے ہیں، وہ ہمارے لیے کافی اور بہترین کارساز ہے۔ وصلى الله على سيّد الأنبياء والمرسلين محمّد وآله وصحبه أجمعين

****

---

1 صحیح بخاری، کتاب الفتن، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: سترون بعدي أمورا تنكرونها، حدیث ٧٠٥٦

Marfat.com

کتاب کے مؤلف ڈاکٹر احمد بن یوسف الدریویش اسلامی فقہ کے پروفیسر، نامور مصنف اور سکالر ہیں۔ اپنے وطن سعودی عرب میں امام محمد بن سعود اسلامی یونیورسٹی کے نائب صدر اور دیگر متعدد اعلیٰ عہدوں پر فائزرہ چکے ہیں۔ ستمبر ۲۰۱۲ء سے بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی کے صدر ہیں۔ اعلیٰ علمی وانتظامی خدمات پر آپ کو سعودی حکومت، امام محمد بن سعود اسلامی یونیورسٹی اور دیگر سرکاری اور غیر سرکاری اداروں کی طرف سے متعدد خطابات، اعزازات اور اَسناد تحسین سے نوازا گیا ہے۔ اسلامی فقہ آپ کا موضوع تحقیق اور دلچسپی کا خاص میدان ہے۔ دور حاضر کے تقاضوں اور ضروریات سے ہم آہنگ کئی موضوعات پر آپ کی چالیس سے زائد تصانیف منظر عام پر آچکی ہیں۔

اعتدال اور میانہ روی امت مسلمہ کی وہ خصوصیت ہے جو اسے دیگر اقوام اور ملل سے ممتاز کرتی ہے۔ دور حاضر میں عدم برداشت، عدم رواداری، مذہبی انتہاپسندی اور مسلکی تعصبات مسلم معاشروں میں تیزی سے پروان چڑھ رہے ہیں، نوجوان طبقہ بالخصوص بے راہ روی اور فکری پراگندگی کا شکار نظر آتا ہے۔ اس صورت حال کے تباہ کن نتائج کسی صاحب بصیرت سے مخفی نہیں۔ زیر نظر تالیف اس فکری سیلاب کے آگے بند باندھنے کی ایک سنجیدہ اور وقیع کوشش ہے جس میں قرآن وسنت کی تعلیمات کی روشنی میں راست روی کے بنیادی اصول اور اس کے عملی طریق کار پر تفصیل سے گفتگو کی گئی ہے۔ امید ہے یہ کاوش اس فکری انتشار، تعصّب، عدم برداشت اور عدم رواداری کے ماحول میں معاشرے میں توازن، اعتدال، برداشت اور راست روی کی اقدار کو فروغ دینے میں ا...

297.7 1271
117068-U-67

شریعہ اکیڈمی
بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد

Marfat.com

راست روی

بنیادی اصول اور عملی وسائل

فَاسْتَقِمْ كَمَآ أُمِرْتَ
وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا
إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ

پروفیسر ڈاکٹر احمد بن یوسف الدریویش

2
ا
11

شریعہ اکیڈمی
بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد

Marfat.com